کلام الملوک

مرتبہ

پروفیسر حمید اللہ خاں

گورنمنٹ کالج اجمیر

انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

سنہ ۱۹۳۳ء

کتاب خانہ
عابد بلڈنگ حیدرآباد

قیمت ۱۰/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نو آموز طلبا کی جماعت میں تقریر و تحریر کے موقعہ پر جن اختلافات استعمال کا ہونا حیطۂ امکان میں ہے اُن کی قدر و قیمت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ دعویٰ محض قیاسی اور بعید از حقیقت ہے۔ یہ اختلاف ان لوگوں میں ہمیشہ پائے جائیں گے جن کو ایک ہی زبان بولنے والا محض اس لئے تصور کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو اپنا ما فی الضمیر بے تکلّف سمجھا سکتا ہے۔ جسے ہم تحصیل زبان کہتے ہیں اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے اختلافات معدوم ہو جاتے ہیں اور یکرنگی زبان کا دائرہ وسیع اور بدرجۂ کمال بلند ہو جاتا ہے۔ تحصیل زبان جن اختلافات پر اپنا نقش مرتسم کرتی ہے اُن کے مدارج میں بمقتضائے ماحول خواہ کم فرق ہو خواہ زیادہ مگر یہ ابتدا سے انتہا تک اپنا کام بذریعہ انتخاب انجام دیتی ہے نہ کہ بذریعہ ادغام۔ مختلف مقامات اور اشخاص کے مستعملات زبان میں جو فرق نمایاں ہوتا ہے اس کا اوسط نہیں نکالا جاتا بلکہ جماعت کے ایک جزو کے مستعملات کو ایک اصول یا قاعدہ تسلیم کر لیا جاتا ہے جس کی پابندی مابقی جزو کے لئے لازمی قرار دیجاتی ہے اور اُن حدود سے قدم نکالنے کی روک تھام یا قطعی ممانعت کر دی جاتی ہے۔ اس استعمال زبان میں ایک طرح کا وقوف و شعور اور غور و خوض داخل ہو جاتا ہے۔ جب اردو زبان نے ایک متمائز صورت اختیار کر لی تھی اس وقت عوام کا یہ دستور تھا کہ وسائل افہام تفہیم سے بے غور و خوض اور طبعی طور سے کام لیتے تھے محض ضروریات افہام و تفہیم ان کی مشعل ہدایت تھیں اور ضروریات بھی وہ جن کا

ان کو احساس ہوا مگر ان کی معقولیت کو قلمرو ادب میں مسلّم اور مستند نہ سمجھا گیا۔ اب چند نمونوں کی ایک مسلّم و معروف طریقہ سے تقلید کی جاتی ہے اور معاملات سخن اور نکات ادبی میں مستند اساتذہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ان ہی لوگوں کا کلام مشعل ہدایت سمجھا جاتا ہے جو سب سے اچھے بولنے والے یعنی وہ لوگ ہیں جو لفظوں کو بہت ہی صحت کے ساتھ بولتے اور بہت ہی اچھے اور زور دار معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ مجموعہ جو شاہزادگان دہلی کا کلام ہے اسی مقصد سے داخل نصاب کیا گیا ہے کہ تحصیل زبان میں طلبا کا خضر راہ ہے کیونکہ محاورات و اصطلاحات۔ روانی صحت وزن سلسلۂ خیالات۔ بلند آوازی۔ نازک خیالی۔ جوش بیان نشست الفاظ۔ عمدہ بندش کے علاوہ اس کی زبان صاف اور فصیح ہے۔ تکلف اور ابتذال نام کو نہیں۔ اس مجموعہ سے زبان کا خاص رنگ اور شاعری کی اصل حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ابھی تک دنیائے ادب میں اس قسم کے قابل تقلید نمونے عام طور سے ایک مخصوص گروہ میں اپنا کام کرتے رہے ہیں۔ لکھنؤ اور دہلی کے اہل زبان ادبیات اردو اور حفاظت زبان کے وارث اور مالک سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن دَور حاضرہ کی زبان اور اس کی عالمگیر ترقی کو دیکھ کر کون منصف مزاج شخص ہوگا جو یہ نہ کہہ اُٹھے کہ بے شک دکن اور پنجاب کسی حیثیت یا لحاظ سے لکھنؤ یا دہلی سے ذرّہ برابر بھی کم نہیں اور اِن مقامات کے لوگوں نے زبان کی ترقی میں مساوی حصہ نہیں لیا۔ تخصیص اور تحدید کی شرط سے ممکن ہے عوام آیندہ سرمایۂ ادب سے ناآشنا ہو جائیں اور تائید عوام سے محروم ہو کر ادبی زبان سے قوت حیات زائل ہو جائے کیونکہ کوئی سی زبان کیوں نہ ہو اگر وہ تمام جماعت یا ملک کی ہر طرح ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہے اور جو تبدیلیاں اُس مُلک یا جماعت میں واقع ہو رہی ہیں ان کے دوش بدوش نہیں چل سکتی تو وہ ترقی نہیں کر سکتی۔ جب یہ عام طور سے استعمال نہیں کی جاتی اور خاص خاص مقامات کی ملکیت بن جاتی ہے تو اس کی طبعی اور ضروری نمو کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے۔

پس ایک ہی قوم میں دو زبانیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک تو وہ ہوتی ہے جو اہل زبان سے ورثہ میں ملتی ہے دوسری کو حال پیدا کرتا ہے۔ اس میں خواہ خرابیاں بھری پڑی ہوں لیکن اس کی حیات، تندرستی اور نمو سے معمور ہوتی ہے جس کے باعث آخر یہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ اس زبان کو جس سے یہ نکلی ہے اکھاڑ دیتی ہے اور اس کی جگہ خود لے لیتی ہے۔ ہر زبان جو ادبی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنائی جائے گی اس کا وہی حشر ہوگا جو ژند سنسکرت یا لاطینی زبان کا ہوا باوجودیکہ ان زبانوں سے نکلی ہوئی بہت سی زبانیں رائج ہیں لیکن چونکہ ان زبانوں کے محافظ ایسے لوگ تھے جنہوں نے تحریری ادب کو محدود کر لیا تھا۔ اس لئے بجائے ترقی کے زبان میں ضعف اور انحطاط پیدا ہو گیا اور رفتہ رفتہ عوام کے تغافل اور لاعلمی نے اس کو طاق نسیاں میں رکھ دیا۔ دنیائے ادب میں تنہا پسندی ہمیشہ باعث زوال ہوتی ہے۔ بہت سے آدمیوں کی ضروریات و مفاد چند اشخاص کی ضروریات و مفاد سے زیادہ اہمیت رکھتے اور آخر کار اُن پر غالب آجاتے ہیں۔ اصلی حفاظت زبان تو یہ ہے کہ ایک تعلیم یافتہ عمومیت قائم کی جائے اور ہمہ گیر و کامل تعلیم کے ذریعہ سے تمام جماعت کو اس امر میں ہم نوا بنا لیا جائے کہ صحیح گفتگو کے مسلّمات کا مناسب اور مفید طریقہ سے تحفظ کیا جائے گا اور اس کے بعد جو تغیر ناگریز ہے اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ شعرا اور ٹکسالی زبان کے حامیوں کا ایک گروہ ہے جو چاہتا تو یہ ہے کہ زبان کی صحت پر حرف نہ آنے پائے۔ مگر درحقیقت یہ اس کی ترقی کی راہیں بند کر دیتا ہے۔ نئے لفظ نئے معنی اور عام طور سے مستعمل اسالیب بیان سے حد سے زیادہ ڈرنا زندہ زبان کے لئے اس سے کچھ ہی کم مہلک ہے جتنا کہ ان کی قطعی روک تھام نہ کرنا۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم غور و خوض سے کام لیں تو شاید اس بات کے بتانے کی ضرورت نہ رہے کہ یہ پسندیدہ شرط بہ نسبت قدیم زمانے کے ترقی یافتہ اور ادبی زبانوں کے زمانہ حال

کی اردو زبان قریب قریب بالکل پوری کر رہی ہے اور اسی لئے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جو حشر قدیم زبانوں کا ہوا وہ اس کا نہ ہوگا۔ ہندوستان اور ایران کے تعلیم یافتہ طبقوں میں عام طور سے زبان کی حفاظت کرنے والی قوتیں جس درجہ ارتقا، پر پہنچ چکی تھیں وہ تحفظ ہی تحفظ کے سایۂ عاطفت میں نشو و نما پاتی رہیں اور اُس عہد کے بہت ہی موافق ماحول میں بھی اس درجہ پر جس کی طرف آج اردو زبان جارہی ہے پہنچنا تو درکنار اس سے کوسوں دُور رہی ہیں۔ اردو زبان کے ماحول کو دیکھئے زبان کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنے والوں، تعلیم و ترقی یافتہ افراد اور خیالات کو ضبط تحریر میں لانے والوں کا دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ پنجاب اور دکن میں ایک خاص گروہ بن گیا ہے جس کے افراد کی تعداد کثیر اور جس کا اثر غالب ہوتا جاتا ہے تعلیم اب اعلیٰ طبقہ ہی میں محدود نہیں بلکہ عوام میں پھیل گئی ہے۔ کتابوں نے ہر شخص کے ہاتھ میں پہنچکر تحریر اور تقریر کے اصول قائم کر دئے۔ اور سب پر ایک نیا رنگ چڑھا دیا۔ اور اس کی وہ ہیئت جس کے بہترین دماغ اور شیریں کلام و خوشنوا اصحاب حامی و مددگار ہیں اوروں پر غالب آرہی ہے اور وعدہ کرتی ہے کہ میں اصلی زبان بنوں گی اور ہمیشہ خدمت کرتی رہوں گی۔ یہ امر مسلّمہ ہے کہ زبان شاعری ہے یعنی اگر شاعر نہ ہوں تو زبان ممکن ہی نہیں۔ جن حضرات نے لسانیات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ زبان شاعری ہے اور ہر زبان کے الفاظ ابتداءً شاعرانہ تخیل کے کرشمہ ہیں جن کو مانجھ مانجھ کر شعرا نے اس قابل کر دیا ہے کہ آج شعرا ان الفاظ کو صحیح اور مستند سمجھ کر بے تکلف اپنے تحریر اور تقریر میں استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت میں استناد اور تقلید کی بدولت

شعرا کا مطالعہ اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ جو کچھ وہ لکھتے ہیں اس کا حوالہ کسی نہ کسی کے کلام میں ضرور ہوتا ہے۔

امید ہے اس مختصر مجموعہ اشعار کا مطالعہ بھی طلبا کو مفید ہوگا۔ اور ان کی تحریر و تقریر اسی قسم کی کتابوں سے اچھی ہو جائے گی۔

اجمیر کالج ہوسٹل
۱۴ مئی ۱۹۳۲ء

حمید اللہ خان یوسف زئی

فہرست کلام الملوک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) مرزا علاء الدین عرف مرزا کالے المتخلص بہ آرزو

پھکے ہے آگ سے ہر دم یہ آسماں کیسا
چڑھا ہے زور پہ اب نالہ و فغاں کیسا

صبا تو کیا نفس صبح دے ہے مجکو اڑا
ہوا ہوں روز کے صدموں سے ناتواں کیسا

لگائیں ہاتھ بھی جھوٹوں تو یوں کہے بلبل
کہ آج لوٹے ہے گلچیں یہ گلستاں کیسا

نہ اُن کو سننے کی طاقت نہ مجکو کہنے کی
سنے ہے کون کہے کون اور بیاں کیسا

کسی کے حال کی تجکو خبر نہیں مطلق
تڑپ رہا ہے پڑا ایک نیمجاں کیسا

کرے ہے پند ہمیں پند گو خدا کی شان
کہاں کا آج ہمارا یہ غمگسار آیا

رو رو کے خون اُس نے بھی حسرت نکال لی
عاشق کا تو نے خوں نہ بہایا تو کیا ہوا

یاں بیخودی ہے مانع نظارہ ہم نفس
اُس نے جمال اپنا دکھایا تو کیا ہوا

آزادگاں کو مانع وحشت نہیں ہے قید
زلفوں میں تم نے دل کو پھنسایا تو کیا ہوا

ہے وہ ہی غفلت اور وہی بے نیازیاں
احوال دل گر اُسکو سنایا تو کیا ہوا

نری حاجت نہیں کچھ جانے کی نجانے کی اب
تجھ سے آگے میں وہاں آپ صبا جاتا ہوں

آرزوئے مے کی مجھے کیا ہے کہ ساقی ہر دم
ان نگاہوں سے ہی سرشار ہوا جاتا ہوں

نگاہوں کے ملاتے ہی نہ تھا گویا کہ سینے میں
عجب ہی دل کے لینے کا ڈھب اس شوخ پرفن کو

آخر اس آہوئے رم خوردہ کو لایا ہی کھینچ
میرے اس جذبۂ الفت کے اثر کو دیکھو

رہتا ہے غم سدا ترے اس مبتلا کے ساتھ
گویا کہ آشنا کو ہے ربط آشنا کے ساتھ

زاہد نہ تو طربت کو کہ اسکا ہی ہے ظہور
کرتا ہے کیا معاملہ ناداں خدا کے ساتھ

اس پر بھی بد دماغ وہ ہوتے ہیں یا نصیب
ہر چند بات کہتے ہیں ہم التجا کے ساتھ

ان بے نیازیوں سے نہیں کچھ خیال بھی
ہم لب کو کس امید پہ کھولیں دعا کے ساتھ

اس کو لڑائیوں کا کہاں ضعف سے دماغ
کیجے نہ جنگ آرزوئے مبتلا کے ساتھ

محفل میں تو اعدا کو بلایا مرے آگے
اور باتیں بنانے لگے کیا کیا مرے آگے

آئینہ ہی لے بیٹھے ہے یہ چھیڑ تو دیکھو
محفل میں جب آتا ہے خود آرا مرے آگے

احباب جو کچھ حال مرا کہویں تو کہویں
لے بیٹھے ہو تم ذکر کہاں کا مرے آگے

ہے ایک بوسہ پہ سودا ہمارے دل کا کہ ہم
لحاظِ نفع و خیالِ ضرر نہیں رکھتے

روز یوں ہی وصل میں لازم ہے تمکو گفتگو
شوق بڑھتا ہے زیادہ آپ کی تکرار سے

بعد مرنیکے بھی اسکی ہے تمنا باقی
فارغ البال ہوئے تم مجھے دیکر بوسہ

سر تو باقی نہیں اور ہے وہی سودا باقی
ابھی سو طرح کا ہے آپ سے دعوا باقی

آرزو کو بھی نہ افسوس قضا نے چھوڑا
عاشقوں میں ترے ایک یہ ہی رہا تھا باقی

(۲) مرزا اعظم شاہ المتخلص بہ آزاد

گھبرائے گا کیا جی مرا تنگی قفس سے
وہ اور ہیں جنکی شبِ ہجراں کو سحر ہے
ہم یہ سمجھے تھے چھپائے گا گنہگاروں کو

سو بار بھی کیا ہو کے گرفتار نہ آیا
یاں شام ہوئی حشر کی اور یار نہ آیا
پر بہت تنگ ہی محشر ترا داماں دیکھا

آزاد کو مت پوچھو کیا اس کا ٹھکانہ ہے
جس کوچہ میں دن گذرا واں شب بھی رہا ہوگا

آزاد چپکا رہنا آٹھوں پہر بُرا ہے
پھٹ جائے گا کلیجہ کچھ بات بھی کیا کر

عجب اعجازِ ان آنکھوں نے دیکھا چشمِ قاتل میں
کہ اک تیرِ نگہ اور آکے بیٹھے لاکھ کے دل میں

تمہارا جذبۂ الفت جو لیجائے تو لیجائے
وگرنہ کام کیا ہم بیخودوں کا روزِ محشر میں

وہ بن سنور کے ترا بیٹھنا وہ شرمانا
وہ دیکھ آئینہ کہنا کہ دیکھنا مجکو

یہ تو کہیئے کہ ملیگا مجھے مرقد میں تو چین
یا وہاں بھی ہے کوئی فتنہ اٹھانا باقی

یاں آہ بھی لب تک آ نہ پہونچی
کیونکر کرتے ہیں لوگ نالے

آزاد تیرے پاس نہ زر ہے نہ زور ہے
تجھ سے کوئی ملے تو کس امید پر ملے

(۳) مرزا احمد شاہ - المتخلص بہ احمد

بہانے بلبل بیدل کا جب لہو صیاد
تو کیوں نہ سامنے گل کے ہو سرخ رو صیاد

کہو کہ کیونکہ ہو اس سے نباہ کی صورت
کہ بد مزاج ہیں ہم اور تند خو صیاد

بچائے جان کدہر عندلیب زار ئے گل
پھریں تلاش میں جب اسکی چارسو صیاد

(۴) مرزا وجیہ الدین المتخلص بہ اختر

یہ عمر اور عشق کا آزار دیکھنا
اور دل پہ پھر یہ صدمہ شب انتظار کا

واں اُس نے بلایا ہے کہ تو رات کو آنا
یاں دن کو نکلنا بھی میسر نہیں آتا

(۵) مرزا سپہر شکوہ المتخلص بہ اسرار

وہ جب ہنستے ہیں میں کہتا ہوں یارب	یہ بجلی دیکھئے گرتی کہاں ہے
پھر محو خیالِ رُخِ جانانہ ہوا ہے	پھر شیشۂ دل اب تو پریخانہ ہوا ہے

(۶) مرزا غلام محی الدین عرف مرزا ممن المتخلص بہ اشکی

کب دل سے چھٹے عشق تری زلفِ دوتا کا	دامِ ازلی وہ یہ گرفتار سدا کا
کیا پاس کسی کا ہے کہ مرتا ہوں ولیکن	شکوہ نہیں کرتا شبِ ہجراں کی جفا کا
قسمت کو تو دیکھو کہ پھرا نامہ بر اسدم	جسوقت مرے سر پہ تقاضا ہے قضا کا
آئے تو نہ دشمن کے خطر سے مرے آگے	اور مفت میں بدنام کیا نام حنا کا
کچھ وجد نہیں نغمۂ مطرب ہی پہ موقوف	کافی ہے یہاں نالۂ بے ربط درا کا
سجدہ میں گری دیکھ کے تصویر بت اشکی	معلوم ہوا آپ کا خرقہ تھا ریا کا

(۷) مرزا غلام حسین المتخلص بہ انداز

حاصلِ محنت نہ پایا کوہکن نے عشق میں	قطرہ قطرہ بن گیا زہر آب جوئے شیر کا

دیکھیئے آگے کیا ہووے
بے تکلف کسی سے مت ہنسیئے

دل لگی میں تو ہے ابھی سے رنج
اکثر آجائے ہے ہنسی سے رنج

جور و جفا کی اُسکی شکایت کریں تو کیا
سو شوخیاں نکلتی ہوں جسکے حجاب میں

انداز یاد عارض جاناں میں روز و شب
سُلگے ہے آگ سی دل خانہ خراب میں

نیم بسمل مجھے رکھنے سے تمہیں کیا حاصل
تیور آج اور نظر آتے ہیں ان کے ہمدم

ایک ہاتھ اور بھی خنجر کا لگاتے جاتے
غیر کچھ چپکے ہی چپکے ہیں پڑھاتے جاتے

نہ بہکائے اگر اغیار اُن کو
خزاں ہوتی نہ دامنگیر گلُ کی

تو کیا کیا عیش پھر مل جُل کے ہوتے
نہ دن برگشتہ گر بلبل کے ہوتے

(۸) مرزا رحیم الدین المتخلص بہ ایجادؔ

بتخانہ میں تھا یا کہ میں کعبہ کے قریں تھا
ہر چند کہ میں دوست کے ہمراہ نہیں تھا
ہے ہے غلط اندازی عیار ستمگر
اللہ رے تری شرم کہ آیا نہ نظر اور
توڑا ہے یہ کچھ آپ کو میں نے کہ جہاں میں

اے زاہد ناداں تجھے کیا ہے میں کہیں تھا
پر دل وہ بلا ہے کہ جہاں تھا یہ وہیں تھا
جس جا پہ مرا دھیان گیا واں وہ نہیں تھا
مدت سے مرے پاس تو اے پردہ نشیں تھا
ثابت نہ رہا نام کا جو میرے نگیں تھا

دیکھو تو مری ضد کہ کسی شب وہ ستمگر
اب آئے وہ اب جاں کو ہوئی میری تسلی
دو دن میں ہوا حال یہ اُس کا کہ مری جاں

آیا بھی تصور میں تو دشمن کے قریں تھا
تھا دھیان یہ اور لب پہ دم باز پسیں تھا
دیکھا تو وہ ایجاؔد ہی گویا کہ نہیں تھا

شب جا کے وہاں اپنا تو کچھ دل سا بھر آیا
سب تھے تری محفل میں پر ایجاؔد نہیں تھا

نمک ملے ہوئے آئے تھے اس طرف کہ نہ تھی
یہ کس خلش کا تقاضا رہا کہ تا دمِ صبح
لب اسکے زخموں پہ چھڑکا کئے نمک جوں جو

تمہارے اگلی سی زیور میں آبداری رات
کچھ آپ ہی آپ رہی دل کو بیقراری رات
نگاہ دل پہ کیا کی سناں گزاری رات

لے اب جنازہ پہ ایجاؔد کے تو چل ظالم
تری ہی یاد میں تھا وقتِ دم شماری رات

ترے خنجر کے شکر نے قاتل
کی ہے زخموں سے سو زباں ایجاؔد

اس فصل میں کھولینگے جو زنداں کے نہ در کو
یہ باتوں میں بہلائے وہ دل چھین کے لیجائے
کیا کیا نمکین لب کا تبسّم ہے نمک ریز
ہم کو نہ اُٹھا بزم سے اپنے کہ مری جاں
سب یار ہوئے منزلِ مقصود کو راہی

مر جائینگے دیوانے ترے پھوڑ کے سر کو
کیا یاد ہیں ڈھب لب کو ترے اور نظر کو
ہنس ہنس کے جو وہ دیکھتے ہیں زخمِ جگر کو
ہم آپ ہی بجھ جائیں گے جوں شمع سحر کو
اب ہم بھی کچھ آمادہ کریں سازِ سفر کو

لختِ دلِ سوزاں بھی ہیں کچھ آنسوؤں کے ساتھ
ظالم ہیں سزاوار تو کچھ لطف کے ہم بھی

نہ پونچھیو دامن سے مرے دیدۂ تر کو
دیکھو کبھی تم ایک نگہ سے ہی ادھر کو

لگے ہم سے نظر اپنی چرانے
وہ سمجھے جس گھڑی لطف نظر کو

سبب سمجھا جو بیماری کا وہ شوخ
نہ آیا پھر کبھی میری خبر کو

نظر کی برق مجھ پر ہی گرے گی
وہ دیکھے گو اُدھر کو یا اِدھر کو

سکھایا دختِ رز کو منہ چھپانا
کوئی کیا روئے جانِ شیشہ گر کو

جتنی ہو پلا دے کہ پیاسا ہوں میں ساقی
ظالم میں سمجھتا نہیں کم اور زیادہ

جتنے ترے پیش آئے ہیں ہم عجز سے اُتنی
بڑھتی ہے تری مشقِ ستم اور زیادہ

اتنے سے ترے تھمنے میں نکلی ہے یہ حسرت
اے اشک ذرا لطف سے تھم اور زیادہ

کتنا ہی کروں خشک پہ یہ دامنِ تر ہائے
خجلت سے ہوا جاتا ہے نم اور زیادہ

کرتے ہیں مرا چارۂ غم جس قدر ایجاد
اُتنا ہی یہ ہوتا ہے الم اور زیادہ

(۹) مرزا بلاقی المتخلص بہ بدرؔ

سن لینا ایک دن کہ اُسے غم نے کھا لیا
غم کھائیگا یوں ہی جو یہ غمخوار آپ کا

لب تک بھی مرے وا نہیں ہوتے کہ کچھ کہوں
منہ دیکھتا ہوں میں دمِ گفتار آپ کا

اے بدرؔ گاہ گاہ ہے ابتک تو دردِ دل
پکڑے کہیں نہ طول یہ آزار آپ کا

اتنی ہی پرسش میں ہوگا ختم وہ ہنگامہ سب
گر قیامت میں ہمارے حال کا دفتر کھلا

اک کشتیِ طوفاں زدہ گردوں کو بنایا	اللہ رے گریہ مرے اس دیدۂ تر کا
تو نہ آیا تری آواز تو آیا کرتی	گھر بھی قسمت سے ترے گھر کے برابر نہ ہوا
گھٹا نہ خاک ہوئے پر بھی کچھ وقار اپنا	ہمیشہ دوشِ صبا پر رہا غبار اپنا
کہتا وہی ہے اور محبت بتوں سے کر	کہتا ہوں جس سے حال دلِ بیقرار کا
در بدر مجھکو لئے پھرتی ہے دلکی وحشت	گاہے گاہے ترے کوچہ میں بھی آجاتا ہوں
وہ لب اور اُن سے مجکو جِلانے کی آرزو	جنکو دعا بھی دوں توکہیں یوں کہ مر کہیں
میں اگر جاؤں تو نکلے مطلبِ دل کچھ نہ کچھ	میرا جانا اور ہے قاصد کا جانا اور ہے
کیا ڈر ہے جو چرخ ستم ایجاد غضب ہے جادو ہے نگہِ غمزہ ستم چال قیامت	اپنی بھی یہ آہِ دلِ ناشاد غضب ہے انداز ترا قہر ہے بیداد غضب ہے
چارہ گر کھینچ لے اس دل کو بھی پیکاں کے ساتھ	گر یہی دل ہے تو دل بھی نہیں درکار مجھے

(۱۰) مرزا الطاف اشرف المتخلص بہ تاب

دیا ہے ہمنے دل اے تاب کس بے مہر کو دیکھو	کہ پروا ہو نہ اُسکو اور اُس پر اپنا دم نکلے

(۱۱) مرزا غیاث الدین المتخلص بہ تمنّا

جو آنکھ چُراتے تھے لگے کرنے اشارہ		ہو ویگی ابھی آہ کی تاثیر ہوئی کیا

تھامے ہوئے دل بیٹھے ہو کیوں آج تمنّا
کل دل پہ جو رکھتے تھے وہ تصویر ہوئی کیا

اے تمنّا دل پہ کیوں رکھے ہوئے ہو ہاتھ تم		پھر کہیں کیا دل لگا عشقِ بتاں پیدا ہوا
چھُپے کیا عشق تیرا غم ستائے بن نہیں رہتا		زباں پر نام بیتابی سے آئے بن نہیں رہتا

(۱۲) مرزا غلام فخر الدین المتخلص بہ تہور

تجھسے کیا شکوہ ہے جی میں بھی آتا ہے کہ میں		دل سے سمجھوں کہ تجھے اُسنے دیا کیا سمجھا
سنتے ہی نام غیر تہوّر بھی ہے غضب		اس جنگجو سے لڑنے کو تیار ہو گیا
لے آیا ذرا خط کا جواب اس سے کسی ڈھب		افسوس کہ قاصد سے اب اتنا نہیں ہوتا
آیا نہ ترے گوہر دنداں کے مقابل		شہرہ ہی سُنا کرتے تھے ہم دُرِ عدن کا

ناصحا پند و نصیحت تو نہ کر محفل میں
ہاں مرے ساتھ کوئی اور بھی رسوا ہوگا

پھر خدا لائے اُسے یا وش بخیر
کیا تہور بے تکلف یار تھا

گر تہور کو نہیں شوق شہادت حاصل
کیوں ترے آگے جھکاتے ہوئے گردن آیا

اب ہے کیا باقی جو ہے کاوش تری دست جنوں
چاک داماں ہو گیا ٹکڑے گریباں ہو گیا

رشک دشمن کا بہت عشق میں کیا ہے ناصح
امتحاں کیجئے مشفق کہیں شیدا ہو کر

(۱۳) مرزا سعادت سلطان المتخلص بہ تیمور

اس چمن زار میں جوں شبنم و گل اے گلرو
کبھی خنداں مجھے ہونا کبھی گریاں ہونا

مہکیگی یونہیں بزم جو زلفوں سے تمھاری
لینے کا نہیں نام کوئی مشکِ ختن کا
اس سادہ مزاجی پہ بھی مرتے ہیں ہزاروں
اللہ رے عالم ترے بے ساختہ پن کا

کرتا ہے جیب عاشق دیوانہ تار تار
ہر رات تری زلف معنبر کو دیکھکر
روتا ہوں اپنی بے پر و بالی پہ باغباں
فصلِ خزاں میں بلبلِ بے پر کو دیکھکر

ضبطِ نالہ کیا تو جان گئی
اپنا گویا میں آپ قاتل ہوں

(۱۴) مرزا معزالدین المتخلص بہ ثابت

شبنم کی طرح اس چمنِ دہر میں ثابت
جز گریہ ہمیں اور تو کچھ کام نہیں ہے

آفریں دل کہ ترے ثابت وگرنہ بارِ عشق
نے زمیں سے اُٹھ سکا نے آسماں سے اُٹھ سکا

تھا قلق اور بیقراری رات
مجکو روتے کٹی ہے ساری رات

لگا یا تیر جو تم نے فقط کلیجے میں
ہر ایک عضو ہے میرا جدا جدا دلگیر

اِنصاف سے کہہ محتسب اس ابرو ہوا میں
کس طرح سے ہو ساقی گلفام فراموش

ناتوانی سے یہ حالت ہے کہ جاتا ہوں کہیں
اور اُڑائے لئے جاتی ہے ہوا اور طرف

سر مرا کاٹ کے تو ہاتھ نہ دھوتا کہ رہے
منزلت خوں کو مرے رنگِ حنا کے نزدیک

آہ گر پردہ نشیں وہ بتِ خود کام نہ ہو
دیر میں کفر نہ ہو کعبہ میں اسلام نہ ہو

(١٥) مرزا غلام فخر الدین المتخلص بہ حشمت

زلفوں کے بنانے کا پردہ تھا بہانہ تھا
منھ پردہ نشیں ہم سے پردہ میں چھپانا تھا

خیر کیجو تو الٰہی ہے سبب کیا کہ مرا
آپ سے آپ ہے کچھ آج کلیجا ہلتا

نالوں سے مرے برپا سو فتنۂ محشر ہیں
قامت سے تری قایم نقشہ ہے قیامت کا

اشکباری تو نکر اتنی خدا کے واسطے
غرق اک عالم ابھی اے چشمِ تر ہو جائیگا

گھر دو ہی قدم پر تو ہے اِن قدموں کے صدقے
بڑھئے کوئی دو چار قدم اور زیادہ

ترے بیمارِ ہجراں کا ترے بِن
یہ عالم ہے کہ عالم نوحہ گر ہے

مجھے روتے جو دیکھا ہنس کے بولے
تری حشمت بتا کیوں چشم تر ہے

(١٦) مرزا رحیم الدین المتخلص بہ حیا

ہوتا جو باد باں نہ محمدؐ کی ذات کا
ڈوبا تھا بحرِ غم میں سفینہ نجات کا

نہ کیونکر وصل میں تڑپوں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر ۔۔۔ تڑپنا بسترِ غم پر شبِ تاریک ہجراں کا

دیکھنے پائے نہ دل بھر کر قیامت میں اُسے ۔۔۔ روزِ محشر وصل کی شب کے برابر ہو گیا

اک نہ اک دن جان جاتی آخرش یوں ہی حیا
مر گئے اُس پر تو اُس کے دل ہی میں گھر ہو گیا

بن ترے کل قتل کا گلشن میں ساماں ہو گیا ۔۔۔ شاخِ گل ناوک بنی ہر غنچہ پیکاں ہو گیا
دل میں وہ موئے مژہ کھٹکا تھا آکر مثلِ خار ۔۔۔ خار سے سوزن بنا سوزن سے پیکاں ہو گیا
اب نہ کہنا میں تری فریاد سے رسوا ہوا ۔۔۔ شکر کر اُسکا کہ جو ہونا تھا وہاں یاں ہو گیا

بہاتا ہوں غمِ عشقِ بتاں میں رات دن آنسو ۔۔۔ بھنور میں آ گیا ہوں ہے مری آغوش میں دریا

ملا یا خاک میں اور اُس پہ کہتے ہیں کہ مجھے ۔۔۔ کچھ امتحانِ محبّت کا کر نہیں آتا

ممکن ہے کہ رحم اُس بتِ کافر کو نہ آئے
پر ہم کو حیا حال دکھانا نہیں آتا

سُنا ہے یار کہتا ہے کسی کے کام آؤنگا ۔۔۔ جو یہ سچ ہے تو میں بھی قسمت اپنی آزماؤنگا

حاصل دلِ بیتاب تڑپنے سے نہیں کچھ ۔۔۔ معشوق کے آنے پہ اجارا نہیں ہوتا
کیوں محوِ تماشا ہے مری لاش پہ عالم ۔۔۔ کہہ دو کوئی مرتا ہے تماشا نہیں ہوتا

اللہ رے لاغری کہ قضا مجکو ڈھونڈھتی — یاں تک پھری کہ حشر کا میدان آگیا
رونا کہاں ہوا مجھے دل کھولکر نصیب — دو آنسوؤں میں نوح کا طوفان آگیا

گلی میں پھینک دیا اُسکی میں نے کاٹکے سر — یہ بوجھ تھا مری گردن پہ سو اُتار آیا
بتوں کو چاہ کے ہم تو عذاب ہی میں رہے — شب فراق کٹی روز انتظار آیا
کھلی نہ آنکھ ترے کشتۂ تغافل کی — ہزار شورِ قیامت اُسے پکار آیا

خدا ہی ہے کہ رہے تو بہ کعبہ جانے تک — قدم قدم ہے تصور شراب خانے کا
وہ بات ہی نہ رہی ذکرِ غیر آتے ہی — وہ وقت ہی نہ رہا الفت آزمانے کا
کہا بتوں سے تسلی دو آخر تو کہا — خدا نہیں کہ جو ہم دل رکھیں زمانے کا
رہی جو دل کی تپش یہ تو ہوچکا یارا — شگاف سینہ و چاکِ جگر سلانے کا

سہل سمجھی تھی دم قتل گراں جانی کو — ہوگیا کام تری تیغ کو دشوار اپنا
دیکھتے ہی اُسے کچھ کہہ نہ سکے حشر میں ہم — ہوگیا بند وہاں بھی لبِ اظہار اپنا

دشمن کو دیا میرے لئے وہ ہی فلک نے — جو کینہ کہ میں نے دلِ مضطر سے نکالا

یہ انتظار دمِ مرگ چشم تر میں رہا — کہ مر گئے پہ بھی عالم وہی نظر میں رہا
لحد میں آئیگا آرام اے حیا کیونکر — جو لوٹتا دلِ بیتاب یوہیں بر میں رہا

حق میں حیاؔ کے یارو دعا کیجیو کہ وہ
مصروف وقت مرگ بھی یادِ بتاں میں تھا

کیونکر عالم کو ہو نظارہ ترے دیدار کا
حسن یوسف کی طرح سودا نہیں بازار کا

تھک گئے بہر دعا ہاتھ اُٹھتے اُٹھتے اے حیاؔ
پاؤں بھی ٹوٹا نہ اک دن چرخ کجرفتار کا

قبا کے ٹکڑے کئے ہیں تو جیب بھی کر چاک
گھڑی گھڑی کی جنوں زور آزمائی کیا

شبِ فراق ہماری بھی ہو گئی آسان
جو تم نہ آئے تو بس موت بھی نہ آئی کیا

پس وصال میسّر مجھے وصال ہوا
مرے جنازے پہ بیٹھے رہے وہ ساری رات

جگر کو تھام کے دل کو دیا جو صبر تو کیا
تڑپ تڑپ کے گذاری تو کیا گذاری رات

وہ ناتواں ہوں کہ آیا نظر نہ موت کو میں
قضا پھری مرے بستر کے گرد ساری رات

جگر وہ کیا جو نہ ہو چاک دن میں سو سو بار
وہ دل ہے کیا نہ رہے جس کو بیقراری رات

شروعِ شام جدائی میں نالہ وا فغاں
ابھی تو اے دلِ مضطر پڑی ہے ساری رات

ترے نزدیک اے زاہد بتانِ ہند کافر ہیں
مرے آگے خدا کا سجدہ ہو تو اُنکے دامن تک

دیتی نہیں ہے ولولۂ جوشِ عشق چین
تہمت عبث ہے موجِ نسیم بہار پر

عمر اپنی خیالِ کمرِ یار میں گذری
دُنیا ہی میں گویا کہ رہے مُلک عدم میں

ناصح نہ دل سے ترکِ محبت کا کر کلام
ایسی سُننے تو میں ہی نہ سمجھا لیا کروں

آدمی ہوں نہیں پتھر کا کلیجہ میرا
اسقدر تو نہ ستم کر کہ اُٹھا بھی نہ سکوں

فلک نے جذبِ عدو میں دیا جہاں کا اثر
رکھا نہ کچھ بھی مرے نالۂ و فغاں کے لئے

آتے ہی آتے موت کے یاں عمر ہو چکی
جو ہے سو میری جان کو غفلت شعار ہے

کہتے تو ہیں گھبرائے نہیں پھرینگے اب ہم
دل بس میں نہو ویگا تو کیا کیا نکرینگے

پڑے اس میں جو مُشتِ خاکِ عاشق
تو دریا بوند بھر پانی کو ترسے

توبہ دھری رہے جو وہ آبیٹھے لے حیا
ہے کس کو اعتبار کہ تم پارسا ہوئے

کیا جانے روزِ حشر کو کھلتی نہ کُھلتی آنکھ
اچھا ہوا اوڑا دی جو نیند انتظار نے

محبت اب نہیں کرنے کے چرخ جانے دے
کہ آدمی ہی تو تھے ہوگئی خطا ہم سے

(۱۷) حیدر شکوہ المتخلص بہ حیدر

نازسے جب وہ چلتے ہیں پازیب آتی ہے یہ صدا
کافر کہے اُن کو جو انکارِ قیامت کہتے ہیں

(۱۸) مرزا رمضانی المتخلص بہ حیرت

کیوں خفا غیر کے کہے سے ہوئے	کیا سُنا تم نے اور کیا دیکھا
دیکھ پاٹ اپنے دامنِ تر کا	پانی پانی ہے دل سمندر کا
وہ خار ہوں کسی سے اولجھتا نہیں ہوں میں	دشمن کی آنکھ میں بھی کھٹکتا نہیں ہوں میں
دل لگتے ہی یا ن جا نکے لالے پڑے حیرت	آویگا ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے
حیرت اب یار سے کیوں ترکِ وفا کرتے ہو	پہلے ہی تم نے محبت نہ بڑھائی ہوتی
ابکے گر جی بچے تو اے ناصح	ہاتھ اوٹھائینگے دل لگانے سے

(۱۹) مرزا خضر سلطان المتخلص بہ خضر

مانا کہ ستم تم نہیں کرتے ہو کسی پر	غیروں پہ کرم ہے یہ ستم بھی نہیں تھوڑا
لہو میں ہوں مرے زخمیں اگر دیکھو تو یہ دیکھو	جو انکے ہاتھ پر رنگِ حنا دیکھا تو کیا دیکھا

نہ کہہ سکتے ہیں کچھ اپنی نہ سن سکتے ہیں کچھ پیری
ہمیں اسوقت میں اے بیوفا دیکھا تو کیا دیکھا

جام جمشید کو آئینہ سکندر کو ملا
خضر میں وہ ہوں کہ حصے میں مرے دل آیا

چھٹوں کس طرح پھندے سے بتوں کے
مجھے کچھ بن نہیں آتی خدایا

تار نفس سے ہے بہم اولجھا ہوا یہ تار
نکلے گا دم بھی ساتھ جو نالہ رسا ہوا

گالی سے کوئی خوش ہو مگر حسنِ اتفاق
جو تیری خو تھی وہ ہی مرا مدعا ہوا

کہتے ہو وہ بھی ہوس پیشہ ہے جیسا تو ہے
مجھ سے اک چھیڑ ہوئی شکوہ عدو کا نہ ہوا

کہتے ہو کہ اک روز تجھے قتل کریں گے
پر یہ بھی تو اے شوخ ستمگر نہیں ہوتا

وہ بھی کیا دن تھے کہ فتنہ رات دن بیدار تھا
خط سے واں رُخ سادہ یاں آئینہ بے زنگار تھا

تری خاکِ کفِ پا سے نہ بدلوں
کوئی گر دے مجھے اکسیر آکر

پتھر کے چٹانے سے ہو تلوار کو بُرش
سُرمہ جو دیا ہو گئی اُن کی نظر اب تیز

میکشوں کے مزار پر رکھتا	ہوں جو بھیگے ہوئے شراب کے پھول
ظلم ہم پر ذرا سمجھ کے کرو	اے بتو بندۂ خدا ہیں ہم
واہ اُنکا خط کب آیا ہے کہ فرطِ ضعف سے	کھولنا مشکل ہے خط بالِ کبوتر سے ہیں

(۲۰) نواب مرزا المتخلص بہ دارا

ہم خاک ہوکے آتے ہیں کوچے میں یار کے	لیکن یہ خوف ہے کہ صبا کو خبر نہ ہو

دِل سے لطف و مہربانی اور ہے   مہربانی کی نشانی اور ہے
مجھ سے کب ہوتا ہے اب دارا وہ صاف
اسکے دل میں بدگمانی اور ہے

(۲۱) مرزا کریم الدین بہادر المتخلص بہ رسا

بیوفاؤں سے اے رسا تم نے	سچ کہو دل لگا کے کیا پایا
ہوگیا اُسکو دیکھ دل حیران	بات کرنے کا حوصلہ نہوا

کھونا غبار آئینہ کا بات کچھ نہیں	مشکل ہے کام دل سے مٹانا غبار کا
پریشان حالونکی جب قدر جانو	جو اس طرح ہو دل پریشاں تمھارا
ہو برا غفلتِ دنیا کا کہ جس کے ہاتھوں	رہے غفلت میں ہم اور سر پہ سفر آہی گیا
ہمارا دم نہ کہیں سُن کے یہ نکل جائے	خدا کے واسطے لو نام تم نہ جانے کا
دل دین و قرار و ہوش تک تو دیدیا تجکو	سوا اُن کے وہ کیا تھا اور جو ہم نے چھپا رکھا
تم کہو دل لیکے دکھلاؤں نہ اپنی شکل میں	ہم کہیں دیکھا کریں صورت تمھاری رات دن
یاں تلک اُس کے غم میں روئے رسا	کہ ہم آنکھوں کو اپنی کھو بیٹھے

(۲۲) امیر تیمور گورگانی المتخلص بہ رفعت

ہم خوش تھے کہ محشر میں تو دیکھیں گے وہ دیدار	لیکن یہ قیامت ہے کہ محشر نہیں ہوتا
کس منھ سے کروں دل کی شکایت کہ بُرا ہے	تجھسے تو جدا وہ کبھی دم بھر نہیں ہوتا
کب تک یہ ستم تیرے سہے جائیں گے ہم سے	ہوتا ہے جگر سینے میں پتھر نہیں ہوتا

میں تجکو نہ کہتا تھا حسینوں کو نہ دے دل
رفعتؔ کوئی ان لوگوں سے جانبر نہیں ہوتا

دیکھئے کرتا ہے کیا دن رات کا رونا ترا
روگ یہ لے ڈھب تجھے اے چشم گریاں ہوگیا

آہ کی آتش فشانی سے تھا عالم کا ضرر
اور کیا ضبط اب تو دل سینے میں بریاں ہوگیا

رو تو اے شوقِ شہادت سر پہ اپنے ہاتھ دھر
لوگ کہتے ہیں کہ قاتل کچھ پشیماں ہوگیا

میں نے برسوں دل کو پالا اپنے بزمِ ناز سے
اور یہ دم بھر میں ایسا دشمنِ جاں ہوگیا

ہوئی بیتابیِ دل کا کہ اس کے ہاتھ سے
رازِ پنہاں ایک عالم پہ نمایاں ہوگیا

میں لگائے جس کو رکھتا تھا گلے سے رات دن
بارِ گردن ضعف سے وہ ہی گریباں ہوگیا

تم رہے زلفیں بناتے واں یہاں ہم مرگئے
اتنے ہی عرصے میں کچھ کا کچھ مریجاں ہوگیا

حسن کی خوبی سے بھی واقف نہ تھا اپنی وہ شوخ
دیکھتے ہی دیکھتے اک آفتِ جاں ہوگیا

یا الٰہی دردِ کس پردہ نشیں کا تھا کہ شب
دل میں اُٹھ اُٹھ کر مرے دل ہی میں پنہاں ہوگیا

خدنگ پہلو میں بیٹھا تو اُس کے دیکھ کے پر
میں سمجھا خط کو مرے لیکے نامہ بر آیا

دل و جگر کو جلا کر لگی ہو آگ کہیں
نفس نفس کے ہے ہمراہ یہ دھواں کیسا

مژہ کو چھیڑے تو مدت ہوئی یہ آج تک
چُبھے ہے خار سا سینے کے درمیاں کیسا

نہ دل کے پاس جگر نے جگر کے پاس تواں
پڑا ہے تفرقہ یارونکے درمیان کیسا

خدا نکردہ کرے نالہ گر ترا عاشق
تو پھر زمین یہ کیسی یہ آسماں کیسا

کچھ آنکھ کا گیا نہ گیا کچھ خیال کا
مارا گیا دل اور یہی بے قصور تھا

میرا یہ قتل اور وہ نازک دماغیاں
اتنا بھی لطف حق میں مرے تم سے دور تھا

کچھ پاسِ غیر کچھ وہ تغافل شعاریاں
گویا کہ سامنے بھی ہیں نظروں سے دور تھا

رحم اُسکا ہے کہ نالہ کا اثر کچھ ہو گیا
نزع میں بارے وہ لینے کو خبر آ ہی گیا

وصل کی شب بھی کوئی شب تھی کہ اُس رخ سے نقاب
اُٹھنے پائی تھی کہ ہنگامِ سحر آ ہی گیا

تھا ہدف غیر پر اپنا تھا مقدر جو درست
غلط اندازی سے وہ تیر ادھر آ ہی گیا

آج کچھ رفعتؔ دل خستہ کا احوال ہے غیر
جو کہ دھڑکا تھا سو وہ پیشِ نظر آ ہی گیا

نہ کیجو قصد تو پیکاں کے آزمانے کا
کہ زخم دل کو ہے پانی کے ڈھب چُرانیکا

بسانِ طائرِ رنگ پریدہ وحشت سے
کسے دماغ ہے اب آشیاں بنانیکا

نہ عذر تھا ہمیں ہونے میں خاک کے گر ہم
یہ جانتے کہ وہ دامن نہیں بچانیکا

گندھی تھی کون سے بدمست تشنہ لب کی وہ خاک
کہ جس سے خُم یہ بنا ہے شراب خانیکا

شبِ وصال میں دیتا ہے لطف کیا کیا کچھ
ہر ایک بات پہ عالم یہ منھ بنانیکا

بذوق نازکو دے رخصتِ جفا کہ یہاں
ہمیں بھی عزم ہے طاقت کے آزمانیکا

سمجھتا کاش میں اوّل کہ بیوفا تجھ میں
چرا کے دل کو ہے طور آنکھ کے چرانیکا

نہ اُن کو ناز سے فرصت کہ ہم سے ہو کچھ چھیڑ
نہ ہمکو ضعف سے یارا ستم اُٹھانیکا

تری گلی میں ہوئے خاک بھی تو کیا حاصل
ترا ہے ڈھب وہی دامن اُٹھا کے آنیکا

گھٹے ہے جوں جوں ملاقات شوق بڑھتا ہے
کہ ڈھنگ یہ بھی محبت کے ہے بڑھا نیکا

اُسی کے ساتھ تھے چرچے جہان کے سارے
بہت رہا ہمیں افسوس دل کے جا نیکا

بُرا ہو بادِ خزاں کا کہ دم کے دم میں یہاں
کیا ہے فیصلہ بلبل کے آشیا نیکا

ہیں ایک وہ بھی کہ تم سے ہے اُنکو راز و نیاز
اور ایک ہم ہیں کہ منھ تکتے ہیں زما نیکا

کم ہو گئی شاید بت و تبخانہ کی الفت
کچھ ان دنوں آتا ہے جو رہ رہ کے خدا یاد

ظالم تو کسی سے تو ذرا رحم سے پیش آ
دنیا میں کریگا کوئی کیا تجکو بھلا یاد

کچھ میری ہی جانب سے نہیں اتنی بھی ورنہ
تم کو تو وہ اقرار بھی اپنا نہ رہا یاد

بیٹھ اے تیر ستمگر تو دلِ زار کے پاس
بیٹھنے یار رہیں دنیا میں سدا یار کے پاس

صبر بھی تیرے ہی کچھ ڈھنگ ہے سیکھا کہ اُسے
عمر آئے ہوئے گذری ہے دلِ زار کے پاس

تجکو لینی ہے تو لے ورنہ اجل لیتی ہے
جاں جو کچھ باقی رہی ہے ترے بیمار کے پاس

ہائے پانی بھی چوانے کو نہ آیا دمِ مرگ
کوئی جز گریۂ حسرت ترے بیمار کے پاس

درِ میخانہ کو سمجھا ہوں درِ کعبہ کہ یاں
جب میں آتا ہوں تو آنکھوں سے لگا جاتا ہوں

بعد مرنے کے بھی الفت نہ گئی دل سے کہ میں
خاک ہو کر ترے دامن سے لگا جاتا ہوں

آتشِ عشق سے جل جل کے بنا ہوں سرمہ
کوئی دن کو تری آنکھوں میں بھی آ جاتا ہوں

سب ہیں جاں بخش یہ کیسے کہ میں انکی خاطر
اپنے جینے ہی سے مایوس ہوا جاتا ہوں

یوں چلے جاؤ تم اور ہم چپ رہیں ۔۔۔ شب کو تھے کیا جانے ہم کس دھیان میں
منھ میں جو آئے ترے واعظ تو کہہ ۔۔۔ پر نہ کہیو کچھ بتوں کی شان میں
پوچھے اشک اُس نے گمانِ غیر میں ۔۔۔ مرگئے ہم اتنے ہی احسان میں
جاں اجل کو دیں گے اک جھگڑے کے ساتھ ۔۔۔ تو ہے جو دیدیں تجھے اک آن میں

رہی بعد از فنا بھی گر یہی اس دل کی بیتابی ۔۔۔ تو محشر تک رہیگی زلزلہ میں خاک مدفن کو

(۲۳) مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد ابو ظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ المتخلص بہ رمز

آنکھیں تو اُس کو دیکھ کے ہوتی ہیں بیقرار ۔۔۔ بن دیکھے دل تڑپنے لگا اس کو کیا ہوا

یاں یہ حالت کہ دم لبوں پر ہے ۔۔۔ واں وہ غفلت کہ کچھ خیال نہیں

تم نہ تھے غیر کے گھر میں شب کو ۔۔۔ بس چلو یوں ہی سہی جانے دو
اس کے آنے کی اگر کوشش میں ۔۔۔ جان جائے تو چلی جانے دو
مُنہ دکھانا ہے خدا کو ایک دن ۔۔۔ اے بتو اتنی خودی جانے دو

تیر مارا ہے تو ظالم تو چھری بھی پھیر دے ۔۔۔ یہ بھی حسرت رہ نہ جائے اس ترے نخچیر کو

پیٹوں جنوں میں سر کو کہ روؤں شرشک کو
تھاموں قلق میں دل کو کہ رکھوں جگر پہ ہاتھ

معلوم ہوگی داورِ محشر کے سامنے
پرسش ہوئی جو مجھ سے کسی دادخواہ کی

اتنا نہ جانتے تھے جو لے رمز تم اُسے
کیوں جان ایک غیر کے پیچھے تباہ کی

چھیلنے کو زخم ناخن تو خدا نے دیدیئے
پر مجھے اب پُر نمک کوئی نمکداں چاہیئے

الٰہی موت تو ہوگی مگر یوں ہو تو بہتر ہے
کہ سر ہو ہاتوں پہ قاتل کے اور سجدے میں دم نکلے

شوق کہتا ہے کہ چل اور ضعف سے
اُٹھ نہیں سکتا قدم کیا کیجئے

حشر تک ہے مرا ترا جھگڑا
کیا ابھی انفصال ہوتا ہے

یادِ بت میں عمر گذری یاں تو رمز
کیا کہوگے واں خدا کے سامنے

یا تو وہ رہتے تھے میرے دل میں رمز
یا کیا گھر اس میں اُن کے تیر نے

کیوں نہ لب حسرت سے کاٹوں میں کہ میرے سامنے
بوسہ اُس لب کا لیا جامِ شرابِ ناب نے

دل لے تو گئے ہیں وہ ہمارا | پر دیکھئے اس کو کیا کریں گے

کاٹ دے اسکو بھی تو اے قاتل | لگ رہی گردن اک ذرا سی ہے
اپنے رہنے کا ٹھکانہ اس گلی میں ہو بتو | رمزؔ اس کے دل میں پر اپنا ٹھکانا چاہئے

کیا جانے آج دل کو مرے ہوگیا ہے کیا | پہلو میں یار اور اُسے اضطراب ہے

رمزؔ ہیں صورت یہ اس کی شیفتہ | آپ کی صورت کو دیکھا چاہئے

ہاتھوں سے ترے بچا نہ وہ بھی | اک رمزؔ تھا جاں نثار رہے ہے

ہوا شوقِ تماشا جیسے ترے روئے نیکو کا | نہ میں قابو کا ہوں دل کے نہ دل ہے میرے قابو کا

ڈھونڈو گے جان کو بھی محبت کی راہ میں | پھرتے ہو رمزؔ دل کی ابھی جستجو میں کیا

کیا قتل ظالم نے کِس کِس ادا سے | ملا مجکو قسمت سے جلّاد اچھّا

سب کچھ آسان ہے تجھے گردشِ دوران کرنا | ایک مشکل مری مشکل کا ہے آسان کرنا

دل دیا تھا جسے دلدار سمجھ کر میں نے
رفر اب وہ ہی دل آزار ہوا ہائے نصیب

حال سن سن کے عشق میں تیرا
رحم کرتے ہیں خاص و عام افسوس

ذبح ہونا میرے حق میں ہے حیاتِ جاوداں
آبِ خنجر میں ترے ہے آبِ حیواں کا خواص

کیسی زمیں کہ غرق ہوا آسماں تلک
اے گریہ اب یہ جوششِ طوفاں کہاں تلک

تصویرِ صنم پیش نظر رہتی ہے اپنے
کعبہ میں تو جا کر ہوئے بتخانہ نشیں ہم

اُس شوخ کو میں نامے میں القاب کیا لکھوں
مشفق نہیں رفیق نہیں مہرباں نہیں

خوبیاں ساری خدائی کی بتوں پر ختم ہیں
بیوفائی کا مگر شکوہ ہے بتگر سے ہمیں

لب ہلے کیونکر تری مجلس میں
دیکھ کر تجکو جان ہے کس میں

نہ حرم میں جگہ نہ دیر میں جائے
ہم گنے جائیں اے خدا کس میں

ذبح کر خواہ چھوڑ دے صیاد
آ پھنسے ابتو ہم ترے بس میں

سرمایہ جو محیط میں دیجئے قرار رمزؔ
ہے میرے ایک گوشۂ چشمِ پُر آب میں

رمزؔ الفت میں جو چاہو آرام
تو یہ راحت طلبی جانے دو

رمزؔ وہ مستِ ناز ہے فتنہ
اُس کو سونے دو کیوں جگاتے ہو

اگر ہوں قابلِ دیدار آنکھیں
جدھر دیکھوں اُدھر آوے نظر تو

بعدِ مُردن بھی نہ چھوٹا ہم سے ذوقِ میکشی
خاک سے اپنی سبوئے مے بنے ساغر بنے

ہم نے تو غمِ یار میں یوں عمر بسر کی
مر مر کے جو کی شام تو رو رو کے سحر کی

مانا کہ دل لیکر تو مجھ سے وفا کرتا
پر دل کی تسلّی کو وعدہ تو کیا کرتا

طرزِ رفتار نے تیری ظالم
رفتہ رفتہ مجھے تمام کیا

دِل گرفتہ ہو خوش سبزہ لالہ زار سے کیا
غرض ہے غنچۂ تصویر کو بہار سے کیا

وہ لیگئے ہیں خدا جانے کس طرح دل کو
دیا ہے میں نے انھیں اپنے اختیار سے کیا

انقلابِ دہر سے اک ہم رہے خانہ خراب
ورنہ عالم بارہا بگڑا ہے اور بن گیا

تم رہو اور مجمعِ اغیار رہے
میرا کیا ہے ہوا ہوا نہ ہوا
پھر تمھارے ستم اٹھانے کو
رمزؔ اچھا ہوا برا نہ ہوا

ہم کو مارا ترے تغافل نے
مفت نامِ اجل خراب ہوا
میں جو رسوائے زمانہ ہو گیا
اسکی شہرت کو بہانہ ہو گیا
جا پڑے ہم کوچۂ جاناں میں رمزؔ
یار ے اپنا بھی ٹھکانہ ہو گیا

دل بیتاب ہو کیا تجھسے رفاقت کی اُمید
کون ہوتا ہے بُرے وقت میں جو تو ہوگا

اور صورت سے کیا غرض اے رمزؔ
ہے پسند اپنے یار کی صورت

غم کے آثار خوشی میں بھی ہیں دیکھو موجود
جو کہ ہنستے ہیں بہت اشک بہاتے ہیں بہت

جل گیا پروانہ تو یہ بھی سحر تک ہے تمام
فاصلہ اک شب کی شب کا درمیاں رکھتی ہے شمع

جسمیں نہ جذب ہو نہ اثر ہو نہ درد ہو
اُس دل کو رکھ کے سینہ میں پھر کیا کرینگے ہم
بیتابیوں سے اس دل خانہ خراب کی
کیا کیا کیا ہے اور نہ کیا کیا کریں گے ہم

غصہ کی کہاں اُنکے ہمیں تاب ہے اے رمزؔ
مرجائیں اُنھیں دیکھیں اگر چیں بجبیں ہم

اسلام و کفر دونوں سے قطع نظر کریں
تنگ آ گئے کشاکش دیر و حرم سے ہم

ہوئی صورت نہ کچھ اپنی شفا کی
دوا کی مدتوں برسوں دُعا کی

دردِ فراق، فکرِ عدو، طعنِ دوستاں
اس ایک جان پر مری کیا کیا بلا نہیں

وصل کی شب حشر کا دن ہو تو شاید کچھ کہیں
اسقدر شکوے ہیں دل میں اُس ستمگر سے ہمیں

اے دلِ بیتاب اتنا اضطراب
صبر تجھ پر اور تو میں کیا کہوں

خوکردہ رفتار ترا نور قیامت
یہ بھی تو نہ جانے کہ مناسب ہوئی کس دن

کیوں نہ دوں رحم کو جگہ دل میں
کیا یہ قاتل کا یادگار نہیں ہے

ہم کو کیا غیر کے آنے کی خبر
چغلیاں نقش قدم کھاتے ہیں

دل کہیں دے بیٹھے ہوئے رمزؔ جس روز سے
طور ہی کچھ آپ کے اے بندہ پرور اور ہیں

کاٹ دے اسکو بھی تو اے قاتل	لگ رہی گردن اک ذراسی ہے
مل رہیگا وہ کبھی تو ہمنشیں	اُس کے ملنے کی تمنا چاہیئے

(۲۴) مرزا جمال الدین عرف مرزا کلن المتخلص بہ زیب

لبوں میں بھر کے جو دامن کو اپنے یار آیا ہمارا جوش جنوں وہ ہے جس کے ہاتھوں سے	یقیں ہے آج کسی بے گنہ کو مار آیا نظر کفن کا بھی ثابت نہ ایک تار آیا
قہر معشوق ہیں خود سر کسی کو اے زیب	ہم نے دیکھا نہیں ان سے کبھی سر بر آتے
زندگی دیکھئے ہو ہاتھ سے دل کے کیونکر درد دل نے مرے مجکو ڈبویا ورنہ بعدِ یک عمر لگی آنکھ ذرا سونے دے	اس کے آتے ہیں نظر اور رہی اطوار مجھے تھا ترے عشق سے کیا یار سروکار مجھے نہ کرا اے شورِ قیامت ابھی بیدار مجھے

(۲۵) قربان علے المتخلص بہ سالک

مت دیکھ حقارت سے میرے گریہ کو ظالم	یہ اشک مسلسل نہیں موتی کی لڑی ہیں

(۲۶) مرزا سلطان شاہ المتخلص بہ سلطاںؔ

اے فلک طفلی میں کیا سمجھوں میں رسم عاشقی
مجکو اس سن میں نہ دیتا عشق کیا درکار تھا

بن جلائے دل و جگر جل جائے
کیا تری آگ ہے محبت کی

آتے آتے وہ پھر گئے گھر کو
یہ بھی خوبی ہے اپنی قسمت کی

عہدِ طفولیت سے نہیں سلطنت سے کم
سلطاںؔ شاہ کیوں نہ کہے اک جہاں مجھے

(۲۷) مرزا سلیم بہادر المتخلص بہ سلیمؔ

جھگڑے سے جب دوئی کے فراغت ہوئی ہمیں
کثرت میں سیرِ عالمِ وحدت ہوئی ہمیں

ہے کوئی اپنا خانۂ دل بھی عجب مکاں
جس میں نصیب یار سے صحبت ہوئی ہمیں

(۲۸) مرزا سلیمان شکوہ المتخلص بہ سلیماںؔ

لبوں پہ نالہ جو آکر نہ ہٹ گیا ہوتا
تو آسمان و زمیں سب الٹ گیا ہوتا

(۲۹) مرزا عزیز الدین المتخلص بہ سرورؔ

شمع رو تو نہو بے پردہ کہ پروانہ صفت
دیکھ محفل میں ابھی رشک سے جل جاؤنگا

تقدیر سے تو وہ بھی جفا کار ہی نکلا
جس پر کہ بھروسا تھا ہمیں مہر و وفا کا

ہوتے ہیں آپ چین بجبیں بات بات پر
یہ ڈھنگ ہے تو ہو چکی صورت نباہ کی

یہ بھی سرورؔ ترک کیا چاہتے ہیں وہ
صحبت جو ہم سے اُن سے ہے یہ گاہ گاہ کی

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے نکلا	کہ شور نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اُٹھا
رہگئے ہوش و حواس و خرد و طاقت سب	یوں ترے کوچے سے میں بے سر و ساماں نکلا
ترے بیمار کی سنتے ہیں یہ حالت ہے کہ اب	جو گیا اُسکی خبر کو سو وہ گریاں نکلا
یہ کسکے دست حنا بستہ یاد آئے تھے رات	کہ تا بصبح مرے دل کو اک فشار رہا
شبِ فراق میں مین کیا کہوں سلیمان آہ	کہ کسطرح سے دل نپا یہ بے قرار رہا
کشتے کو تیرے در سے افسوس لے گئے کل	اور تو نہ اک قدم بھی اے یار گھر سے نکلا
پہ کچھ تو اثر کیا ہے دل کی ترے کشش نے	پڑھتا جو وہ سلیمان اشعار گھر سے نکلا
کبک رفتار اپنی بھول گئی	دیکھ اُسکے خرام کا عالم
اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلاوے	شب ہجران کی شام کا عالم
شب دل سے مرے آہ کا شعلہ جو اُٹھا گرم	منقل کی طرح تا بسحر سینہ رہا گرم
گالی نہ دیا کرو کسیکو	بس بس اپنی زباں سنبھالو
یہ طفل اشک آنکھوں سے نکل کر	مری چھاتی سے پھر لگ رہے ہیں

(۳۰) مرزا امام بخش المعروف بمولوی کلو المتخلص بہ سوزاں

کہے کوئی خاک اُس سے رازِ نہفتہ	نہیں سامنے اُسکے یارا کسیکا
پھر دام سے زلفوں کے تا حشر نہ چھوٹیگا	اے دل تو کہیں اسکے پھندے میں نہ آجانا
میں خونِ دل پیوں اور ہنگام بادہ نوشی	بوسہ یہ جام لیوے اسکے لب و دہان کا
جسے تو چاہتا ہے اُسکو یہ رکھتی ہیں نظروں میں	دلا قائل ہوں میں آنکھوں کی اور تیری رقابت کا

(۳۱) مرزا فخرالدین المتخلص بہ سیارہ

واہ ری شدّتِ گریہ کہ تری دولت سے	کہیں دریا کہیں نالا کہیں تالاب بنا
شوقِ پابوسی یہی ہے تو میں قتل دلا	لوٹتا پاؤں پہ قاتل کے مرا سر ہو گا
لگائے آنکھوں سے میں نے جو اضطراب میں پاؤں	یہ ضد تو دیکھ کہ پہروں ہیں دھوئے آب میں پاؤں
خدا کیو اسطے جا کر کہو اُس آفتِ جاں سے	کہ وقت نزع ہے رخصت تو ہو بیمار ہجراں سے

(۳۲) مرزا بختاور شاہ المتخلص بہ شاکی

لائے اے آہ جگر تو اُسے یا نالۂ دل	کون دونوں میں کرے جلد اثر دیکھیں تو
ایک پر زخم ایک پر ہے داغ	دل تو وہ کچھ ہے اور جگر یہ کچھ

(۳۳) مرزا نور الدین المتخلص بہ شاہی

مژدہ باد اے مے پرستو میکدہ کا در کھُلا
خُم سرِ شیشہ کھلا شیشہ سرِ ساغر کھُلا

(۳۴) مرزا غلام عباس المتخلص بہ شتاب

دست بردار ہوئے تم کسے لکھوں کاغذ
آرزو کس کی کروں اور کسے بھیجوں کاغذ

(۳۵) مرزا کریم الشجاع المتخلص بہ شجاع

کیسے شجاع مضطر نالے بھرے ہے اگر	کوچے میں اُسکے گھر گھر مذکور ہے تو یہ ہے

(۳۶) مرزا غیاث الدین المتخلص بہ شررؔ

تجھے دکھادوں تماشا میں بیوفائی کا — یہ کیا کروں کہ مجھے منہ ہے آشنائی کا
نگاہ نازِ ستمگر ہے تیرے سیدھی — ولیک شیوہ ہے کافریں کج ادائی کا

شررؔ خدا سے ڈرو کل تھے سجدۂ بت میں
اور آج تم کو یہ دعوے ہے پارسائی کا

لاکھ پردہ میں وہ پوشیدہ رہا پر ہمنے — دیکھا جب دل کی نگاہوں سے نظر آہی گیا
روز کے ظلم وستم اُٹھ نہ سکے اے ظالم — تنگ آخر ترے ہاتھوں سے شررؔ آہی گیا

چشم دریائے خون ہے یہ طوفان — کیا بلا ہے یہ ماجرا نہ کھلا
گھر کے گھر بند رہ گئے ظالم — کس پہ دستِ جفا ترا نہ کھلا

دل میں تجھے رکھ لیجئے کہ آنکھیں تجھے دیکھیں — تو ایک ہے اور شوق ہے کیا کیا نہیں ہم کو

ہر جفا کو ترے وفا کے لئے — یہ نہ کہئے تو اور کیا کہئے
اور سے کہئے یا نہ کہئے پر — اے شررؔ ہم سے مدعا کہئے

دلا کچھ بھی ہے ناز و غمزہ کی حد — تجھے کیا بت ملادینگے خدا سے

شمر رہیں جبہہ سا بتخانہ میں آج	نظر آتے تھے کل تو باخدا سے
ہم کریں اب وفا کسی سے کیا	ہم سے بھی کی وفا کسی نے ہے

(۳۷) مرزا روشن الدولہ المتخلص بہ ششدر

کام تو کچھ بھی نہیں ہے حشر میں اپنا مگر	آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا
جنوں پہ دست درازی کی ہے عبث تہمت	کہ اپنے ہاتھ گریباں ہے تار تار کیا
ناتوانی کا بُرا ہو کہ اُٹھانے نہ دیا	ایسا کیا بوجھ بہت طوق گلوگیر میں تھا
آئی کسکی مژگاں کا تصور ہے یہ ششدر کو	کہ جوں نشتر کھٹکتا ہے نفس ہر دم رگ جاں میں
ستم کا یہ مزا ہے دلکو الفت میں کہ اے ظالم	لئے پھرتے ہیں ہم سر پہ سدا گردوں سے دشمن کو

(۳۸) مرزا حاجی قادر بخش المتخلص بہ ششدر

پھر فصل بہار آئی شاید کہ گلستاں میں	آیا دجو دو دن سے زندان نظر آتے ہیں

دیکھکر اس غزال رعنا کو	مجکو وحشت ہوئی زمانے سے

(۳۹) مرزا حاجی المتخلص بہ شہرت

ہم بڑی چیز سمجھتے تھے یہ میخانہ میں	نکلا اک جام کی قیمت بھی نہ ایماں اپنا
غبار اُٹھا نہ ترے دل سے ورنہ اے ظالم	ہماری جان کو اک وہ بھی آسماں ہوتا
رکھا کچھ اپنے ہی دل نے نہ اعتبار اپنا	وگرنہ یہ بھی دو عالم کا رازداں ہوتا
ہے یہ مستی میں بھی ہشیاری کہ اب اسکا نقاب	رخ سے سرکا ہے تو ہے اک لو ہیں سا سرکا ہوا
اہل عالم کی نظر میں شان ظالم ہے بلند	ہے فلک ان سب کی نظروں میں ٹکا ٹھہرا ہوا
پھوٹ کر رونے سے اپنے زخم دل خنداں ہوئے	ہم اگر روئے تو اس رونے پہ بھی ہنستا ہوا
تیر سے نالے وہ اب ہوتے نہیں سینے کے پار	ہے کہیں یا مرگیا ناکام شہرت کیا ہوا
خدا خراب نکرتا جو تجھکو اے شہرت	تو کیوں تو شیفتۂ شیوۂ بتاں ہوتا
کچھ نشاں مجھ بے نشاں کا بعد مردن بنگیا	حسرتیں ہو ہو کے اک جا جمع مدفن بن گیا
دل ہی کی صورت گرہ ہو ہو کے ارماں ہو گیا	دل گیا اور اُسکی جا اک اور دل جاں ہو گیا

ایک دن دو دن کہاں تک تو ہی کچھ انصاف کر
یہ تو جلنا روز کا اے سوزِ ہجراں ہو گیا

ہے ترقی جوہرِ قابل ہی کے شایاں کہ میں
خاک سے پتلا بنا پتلے سے انساں ہو گیا

کفر و دیں میں تھا نہ کچھ عقدہ بجز بندِ نقاب
اُسکے کھلتے ہی یہ کارِ مشکل آساں ہو گیا

پہلے دعوائے خدائی اُس بتِ کافر کو تھا
کچھ درستی پر جو آج آیا تو انساں ہو گیا

ہائے جی بھر کے وہ دیدار میسر نہ ہوا
حشر کا دن شبِ غم کے بھی برابر نہ ہوا

مہلت بقدرِ گردشِ ساغر تو دے فلک
ساقی کو ڈھب پہ لائے ہیں سو التجا سے ہم

تھوڑی امیدِ وصل پہ رسوائیاں ہوئیں
جان دینی اب قبول پہ کرنی دعا نہیں

یوں بیٹھے ہو کہ جیسے کسیکو کسی سے کچھ
مطلب نہیں مراد نہیں مدعا نہیں

ملجائیے کہ پردہ ہی رہوے تو خوب ہے
ابتک بھی اپنا راز کسی پر کھلا نہیں

ہے زمزمہ پہ زمزمۂ تازہ خوں چکاں
گلشن میں اور قفس میں تفاوت رہا نہیں

کھینچے ہیں مستیاں مری اب سر فلک سے دور
یاں تک کہ کوئی اپنے سوا سوجھتا نہیں

یہ تو خبر نہیں ہے کہ کیا حال ہے پر آج
شہرت کا بار بار ہے آتا جگر پہ ہاتھ

لبوں پہ آنے نہ پایا تھا اپنے حرفِ اُمید
کہ اتنی دیر میں وہ ہو گئے خفا ہم سے

نہ چھوٹا زلف سے دل اور نہ دل زلفین بنانے سے	یہ وہ جنجال تھا جس سے نہ تم نکلے نہ ہم نکلے
صبا میں بو یہ بھی کسکی کہ سوئے مصر حسرت کے	روانہ قافلے کے قافلے ہیں شہر کنعاں کے

(۴۰) مرزا نصیر الدین حیدر المتخلص بہ شہرہ

یہ قصہ دردِ فرقت کا بہت ہے لکھ نہیں سکتا	اگر تو آپ آجاتا مفصل ہی بیاں ہوتا
غرق کردیگا ابھی سارے جہاں کو تیرا	ایک بھی اشک اگر دیدۂ گریاں نکلا
نہ ایک وعدہ پہ وہ یار بیوفا ٹھہرا	سحر تو ہو چکی اب وقت شام کا ٹھہرا
دیکھا جو خط مشکیں اُس ماہ سمن بر کا کچھ آہ کا بھی ہوتے مطلق نہ اثر دیکھا	شرمندہ ہوا شب کو ہالہ مہ انور کا اُس کا تو مرے یار دل ہے کوئی پتھر کا

(۴۱) مرزا قمر الدین المتخلص بہ شیدا

عدم سے آئی نہ یاران رفتگاں کی خبر	خبر نہیں وہ کہاں جا کے قافلہ ٹھہرا

کہتے نہ تھے ہم اے دل مت نام لے وفا کا
تو نے وفا کا ثمرہ خانہ خراب دیکھا

مارا گیا مقرر شیدا کہ اس گلی میں
لاشہ پڑا ہوا ہے آج ایک نوجواں کا

عرق دیکھتے ہی رخِ نازنین پر
پڑی اوس بلبل گل یاسمین پر

ہم اس چمن میں غنچۂ تصویر ہیں صبا
کب ہے بہار میں ہوسِ واشدن ہمیں

ایک مدت سے ہے تہی پہلو
نہیں معلوم کیا ہوا دل کو

غیروں سے اُنکو اتنی بھی فرصت نہیں کہ ہم
کرلیں اب اُنسے بیٹھ کے اک جا کلام دو

ہم نہ کہتے تھے کہ شیدا اُس پریوش سے نہ مل
اک نگہ میں کردیا دیکھا نہ دیوانہ تجھے

درد و غم رنج و الم یاس و تعب داغِ فراق
خانۂ دل میں مرے کتنے ہیں مہماں بھرے

اسطرح سے جو مضطرب دل ہے
دل ہے یارب کہ مرغِ بسمل ہے

کس کی شامت ہے کہ زلفِ پرشکن سے لگ چلے
جان پر کھیلے تو مارِ راہزن سے لگ چلے

عشق میں شیدا یہ لاغر ہوں کہ وہ ہیں گر یوں
گر صبا بھی میرے جسمِ ناتواں سے لگ چلے

(۴۲) مرزا قادر بخش المتخلص بہ صابر

عصیاں کی دولت اب ہم خجلت سے بعد مرگ
محفل میں ہیں ہیں تو اُس لب میگوں کے سامنے

اوٹھنا مرے غبار کا دشوار ہو گیا
نامِ شراب لے کے گنہگار ہو گیا

مطلع نظارہ برقِ حسن کا دشوار ہو گیا
جلوہ حجاب دیدۂ بیدار ہو گیا

حائل ہوئی نقاب تو ٹھہری نگاہ شوق
پردہ ہی جلوہ گاہ رخِ یار ہو گیا

معلوم یہ ہوا کہ ہے پرسش گناہ کی
عاصی گنہ نکر دہ گنہگار ہو گیا

اوسکی گلی میں آن کے کیا کیا اٹھائے رنج
خاک شفا ملی تو میں بیمار ہو گیا

پیری میں ہمکو قطعِ تعلق ہوا نصیب
قامت خمیدہ ہوتے ہی تلوار ہو گیا

ہے غلط انداز کتنی ہستیِ موہوم آہ
اُسکی دولت سے جو اپنا تھا وہ بیگانہ ہوا

ہے بنائے خلق ایک ہنگامہ پردازی تری
منزوی ہونے پہ بھی کیا معرکہ آرا ہوا

ہے نگاہِ آشنا کو ہر جگہ جلوہ سے ربط
دیر بھی کعبہ تھا جب میں ناصیہ فرسا ہوا

تیری رہ میں جان دینی ہے حصولِ زندگی
نقشِ پا زیرِ قدم مٹتے ہی پھر پیدا ہوا

لب تلک آکر سخن پھر جاتا ہے دل کی طرف
حرف یاں کستا زبانِ نطق کو گویا ہوا

صفحۂ ہستی پہ یاں ہرگز نہ تھا حرفِ دوئی
نیستی کسکی مٹانے کا تجھے سودا ہوا

ماہیت اپنی جو سمجھے راز تیرا کھل گیا
ہم کو اپنا ہی گریبان دیدۂ بینا ہوا

میں ہوں خود دریا وے کو تہ نظر کے سامنے
ظرفِ موج و قطرہ میرے رُخ کا اک پردا ہوا

بند کرنا واں زبانکو حق کو سب کہتے ہیں تلخ
لب کے وا کرنے پہ یاں منصور کیا رسوا ہوا

گہ حرم میں اور گاہے دیر میں دیکھا اُسے
طور ہرجائی پنے کا اوسپہ کیا زیبا ہوا

وصل سے عاشق نے پایا مرتبہ معشوق کا
قطرہ خود دریا ہوا جب واصلِ دریا ہوا

ختم ہیں نیرنگیاں تجھ پر کہ تیرے حُسن سے
اتنی بیرنگی پہ کس کس رنگ کا جلوہ ہوا

ہائے پہونچا نہ گیا قیدِ خودی سے اُس تک
اپنے ہی دام سے چھٹنا مجھے دشوار رہا

مجھ میں اور اسمیں ہے آئینہ و تمثال کا ربط
دور بیٹھے پہ بھی پاس اپنے وہ دلدار رہا

مجکو حسرت کے نکلنے نے نکالا گھر سے
ناتوانی سے سبک کیا یہ تنِ زار رہا

خفتہ بختی بھی عجب مایۂ آگاہی ہے
طالعِ غیر کے مانند میں بیدار رہا

منہ پہ کہدیتے ہیں جو دل میں ہے آئینہ نمط
کم ہے اور نہ یاں دل میں کچھ اے یار رہا

خشک جب پایا دہانِ زخمِ دل نخچیر کا
آب کا قطرہ بنا پیکان تیرے تیر کا

خوف کیا آہن دلوں کو آہ کی تاثیر کا
شمع کے شعلے سے مُنہ مڑتا نہیں گلگیر کا

آگ ہے گویا کہ خونِ گرم اس نخچیر کا
سوکھتا ہے یہاں تک آنے دم تری شمشیر کا

آتشِ دل کے سبب دستِ مصور میں بنا
کاغذِ آتش زدہ صفحہ مری تصویر کا

مثلِ زر تیری کدورت سے مری رنگت ہے زرد
حکم رکھتا ہے ترے دل کا غبار اکسیر کا

تو تو کیا دیوارِ زنداں بھی نہیں رکھتی ہے کان
ہے گراں کچھ اس طرح نالہ مری زنجیر کا

تیرہ بختی سے کھلا عقدہ نہ اس مشکل شب
ماہ نو ہے گویا ناخن مری تدبیر کا

لطف سوزش کو کہوں یا درد کی لذت کو ہائے
دل کے اک اک داغ پر ہے زخم سو سو تیر کا

ہے فغاں کو کیا زباں درکار وقت پیچ و تاب
بے زباں نکلے ہے منہ سے نالہ ہر زنجیر کا

اسکی آنکھیں خوبی جوہر یہ رکھتی ہیں مدام
ہے چراگاہ غزالاں سبزہ اس شمشیر کا

عمر بھر چھوٹے نہ ہرگز کشمکش کے دام سے
ہم جسے سمجھے تھے ہستی دام تھا تزویر کا

ظالموں کے واسطے کج طینتی بھی حسن ہے
خوبی ترکیب میں داخل ہے خم شمشیر کا

رسائی غیر کی مشہور تجھ تلک ہے ولے
مزا ہے دل میں ترے جب نہ تب غبار آیا

ہماری خاک میں اتنی کہاں رسائی ہے
نہ جانے دل میں ترے کسطرح غبار آیا

میں اوسکی آنکھ میں کیا پاؤنگا جگہ صابر
مری نظر میں مرا جب تہ جسم زار آیا

چھینے سے بڑھا شوق وگر نہ کبھی اتنا
ملنے کا ترے پہلے تو کچھ دھیان نہیں تھا

کہتے ہیں کہ ہے واہمہ اخلاق یہ سچ ہے
جس جا یہ گیا وہم ہمارا تو وہیں تھا

خفت سے مرا چلہ یہ اونچا تھا کہ مجھ سے
نیچا کئی فرسنگ سر عرش بریں تھا

وہ ہی محبت قاتل ہے کہ جسکو عمر بھر ہو جا گئے
ڈر ہے کیا منہ لیکے جائیں جلوہ محشر کے پاس

ہوتا ہے فیض اہل توکل کو غیب سے
ایک قطرہ بحر سے نہیں لیتی کبھو صدف
اہلِ صفا کے ربط سے بڑھتی نہیں ہے شان
پانی نہیں گہر سے کبھی آبروِ صدف

رُخ کی اس گرمی پہ مژگاں کی کجی ہے وہ ہی
آگ سے بھی تو نکلتے نہیں اس تیر کے بل

نیرنگیوں سے اپنی ہیں رنگ کی نمود میں
باغِ جہان میں گویا فصلِ بہار ہیں ہم
گر کچھ وہ منہ لگاتا تو دیکھتے تماشا
اس قہر پہ تو جاتے واں بار بار ہیں ہم
وحشت کے کام سارے اس ضعف نے چھڑائے
بیٹھے ہیں یوں کہ گویا ناکردہ کار ہیں ہم

اک برق سی چمکتی ہے رہ رہ کے سامنے
وہ برق وش قریب کہیں میہمان ہو
کیونکر بچوں میں دستِ اجل سے جو ضعف سے
پوشیدہ یوں نظر سے تنِ ناتوان ہو
اے موت ابھی نہ آ کہ ہوس وہ نکال لے
قاتل کی آرزو سے ستم رائگان ہو
پہلے تو اسکو اپنی جفاؤں کا تھا نہ شوق
تاب و تواں کا اپنی ہی یہ امتحان ہو
تھمتی نہیں ہے خون کی دھار اس سے ایکدم
خنجر ترا مری مژہ خوں چکان ہو
اس سن میں جلا دیتے ہیں انساں کو آنکھ میں
جوں طفلِ اشک چاہیے ہرگز جوان ہو
اسکو کہاں چھپاؤں کہ رُخ کے فروغ سے
آوے خیال میں بھی تو ہرگز نہان ہو
مرتا ہوں قبر میں بھی اسی خوف سے کہ ہائے
پوشیدہ زیرِ خاک کہیں آسمان ہو
ایسا گداز غم نے گھلایا کہ مثل شمع
گر تن میں ڈھونڈئے تو کہیں استخوان ہو
لوں ہاتھ سے جہاں کے سخن میں پناہ کیا
اس جا زمین تو ہوگی اگر آسمان ہو

آنکھوں نہ میرے چلکے وہ اغیار سے چھٹے
خوش طالعوں کو قید تعلق نہیں پسند
دیکھو تو ضد کہ مرتے ہی کرتے ہیں مجکو دفن

پاویں سراغ کیا جو قدم کا نشاں نہو
ورنہ ہما اور اُسکے لئے آشیاں نہو
تا ایک شب بھی مردہ مرا میہماں نہو

صابر گیا تھا کعبہ پہ اب تک نہیں پھرا
رستے میں مل گیا کہیں پیر مغاں نہو

اے دل مرے ہی بخت کو جا کر کیا سیاہ
مجکو بسانِ نقشِ قدم چھوڑ کر چلے

درد فغاں چڑھا جو مرا آسماں پہ کچھ
صابر نہ اعتماد رہا مہرباں پہ کچھ

مجکو جگہ کہاں ہو کہ آتا نہیں نظر
مجھ سے ہی چاہتا ہے وہ ہر ہر ستم کی داد
جاویں کدھر میں بچکے کہ رکھتا ہے پائمال
ظالم جفاکشی کی ہوس تو نکال لوں
کہتا ہوں اضطراب میں اک اک سے حالِ دل

دل میں ترے تو غیر سے خالی مکاں مجھے
سمجھا ہے اپنے ظلم کا اک قدرداں مجھے
ظالم ادھر تو اور ادھر آسماں مجھے
تجھ سا ستم شعار ملیگا کہاں مجھے
رسوا کریگی خلق میں میری زباں مجھے

اتنا یہ بار غم جو نہ کرتا گراں مجھے
رسوائی کے شوق نے ہرگز نہ مثل بو
نقش قدم ملک نہیں رکھتی رہ عدم

ساتھ اپنے چرخ تک لئے جاتا فغاں مجھے
غنچہ میں بھی دیا کبھی رہنے نہاں مجھے
ملتا دگر نہ قافلۂ رفتگاں مجھے

اس چرخ بے دماغ نے سوسن کی طرح سے — رکھا خموش دین بھی اگر سو زباں مجھے
اس اضطراب دل سے میں اُٹھتا ہوں چونک چونک — حاصل ہوئی نہ مرکے بھی خواب گراں مجھے
اتنا تو ناتواں ہوں میں لے بدگماں کہ شوق — ساتھ اپنے کھینچ کھینچ کے لایا یہاں مجھے
مرگ شب وصال کی خوبی ہے ورنہ یار — رکھتا نہ گھر میں تا بسحر میہماں مجھے
چھپتا پھروں ہوں خلق کی نظروں سے پر فلک — کرتا ہے بوئے گل کی طرح سے عیاں مجھے

پیری میں جانتا ہے ہمہ ہر جواں مجھے — قد نے خمیدہ ہو کے بنایا کماں مجھے
جھجکے نہ پا تک آتے سراپا میں کیوں سخن — دکھلائی دے نہ بیچ میں جب وہ میاں مجھے
خواب عدم سے چین ملا مجھکو بعد عمر — بیدار کر نہ دے کہیں یہ نوحہ خواں مجھے
کیا ہم کلام ہوں کہ خدا نے بنا دیا — اے یار بے دہاں تجھے اور بے زباں مجھے
ہوں میں بھی اپنے شیشۂ دل کی صفا سے تنگ — مشکل ہوا ہے راز کا رکھنا نہاں مجھے
چھوڑا نہ تیرے تیر نے یاں مرغ نام کو — بیجان دکھائی دیوے ہے زاغ کماں مجھے
میں بھی ہوں اسکی راہ میں گویا کہ نقش پا — پایا وہیں ہے چھوڑ گئے تھے جہاں مجھے
دل میں بھی دی جگہ تو کدورت کے ساتھ دی — رکھتے ہیں خاک میں ہی ملائے بتاں مجھے

ناخن تم نے کیا مثل نگیں مجھکو کہ ہے — سینہ کاوی سے مری نام تمہارا باقی
چلتے چلتے ہی کٹی عمر ہمیں مثل نفس — اور رہا منزل مقصود کا رستا باقی
ہے ہجوم نگہ شوق ترے رخ پہ نقاب — بے حجابی میں ابھی تک ہے وہ پردا باقی
تیغ کھینچے ہوئے ابرو ہے مرے سر پہ قلے — ہے فقط چشم سخن گو کا اشارا باقی

لاغری نے یہ کیا گم کہ جہاں میں اپنا
نام ہی نام رہا صورتِ عنقا باقی

ہوں وہ میکش کہ ہوا میرے ہی انگوریں صرف
تھا جو منصور کے خون کا کوئی قطرہ باقی

ق

ہمنشین لطفِ شبِ وصل تو تھا ہی کہ مجھے
یہ گماں تھا کہ رہے کچھ نہ تمنا باقی

پر کہوں کیا دمِ رخصت جو مزا تھا کہ مرے
دل میں ارمان ہے اُس لطفِ ادا کا باقی

رات بھر جاگنے سے نیند کا آنکھوں میں خمار
اور کچھ کچھ اثر نشۂ صہبا باقی

بھینی بھینی سی وہ رنگت وہ پریشاں ترکیب
لب پہ بدرنگ سا کچھ پان کا لاکھا باقی

آنکھ کے ڈوروں میں کم کم سی وہ سُرخی کی نمود
تھوڑا تھوڑا سا اک انداز سے سُرما باقی

ایک اک گام پہ بل موئے کمر میں سو سو
کاٹنا شاق نزاکت سے وہ رستا باقی

اب نہ وہ شب کا مزا اور نہ وہ صبح کا لطف
رہگیا اک کفِ افسوس کا ملنا باقی

کچھ نہ پوچھو فرطِ حرماں کو کہ میرے حال سے
درد ہے سودا غ ہے حسرت ہے سو مایوس ہے

حال میرا تجھ سے کہتا ہے اے عالم فریب
جو مرا ہمراز ہے گویا ترا جاسوس ہے

ہوں وہ لاغر کہ اُڑاتی ہے صبا کوسوں تک
بوئے گل جان کے ہر جانبِ گلزار مجھے

دیر میں آکے ہوئے اور ہی جلوہ سے دوچار
مل گئی رہ جو ضلالت سے پڑا کار مجھے

مجھکو ساماں کے ملنے سے ہوئی افزایش
کیا بنایا تھا تمنائے خریدار مجھے

(۴۳) مرزا مصلح الدین المتخلص بہ صالح

نکلتی جان تو کیونکر نکلتی	کہ دم تو یار میں اٹکا ہوا تھا
وہ لوگ کون تھے کہ جو برسوں ستم سہے	اپنا تو دو ہی دن میں عجب حال ہوگیا
ہم خاک ہوئے تو بھی رکھی چھیڑ صبا نے	نکلی نہ کسی طرح سے آرام کی صورت
دل اُس سے پھیر تو لیتا مَیں ناصحِ مشفق	پہ کیا کروں کہ نہیں ہے یہ اپنے بس کی بات
مانا نہیں ہے آپ نے مجھ سے جو کچھ کہا	لیکن زبانِ خلق کی تدبیر کیا کروں
ہم کو تو دل لگی میں اُٹھیں ہیں حلاوتیں	سو دل خدا جو دیوے تو سو جا لگائیے
زندگی کی نہیں صورت نظر آتی اب کے	درد دل میں یہ اُٹھا ہے کہ خدا خیر کرے

(۴۴) مرزا سعید الدین عرف مرزا ننھے المتخلص بہ صفا

پوچھتے ہیں کہ کہاں رہتے ہو اور جانتے ہیں	کہ بجز دشت ٹھکانا نہیں دیوانوں کا

روز کے ظلم و ستم انصاف کر	چرخ اتنا دم کہاں انسان میں
گھر میں بیٹھے ہیں اور اتنا نہیں کہتے منہ سے	کون ٹکرائے ہے دیوار سے سر دیکھو تو
لئے پھرتی ہے در بدر مجکو	یاد اُس کاکُلِ پریشاں کی
اے صفا اُسکو تو غنیمت جان	جو گھڑی کٹ گئی مصیبت کی
مانا کہ وہ بیرنج ہے اور راحتِ جاں ہے	کچھ ہو یہ صفا جی کا لگا ناہی بُرا ہے

(۵۴) سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ المتخلص بہ ظفر

دل کا کچھ کام نہ تجھ سے بتِ پرفن نکلا	دوست جانا تھا تجھے جان کا دشمن نکلا
عشق نے کیا جانے کیا سینے میں بھڑکائی آگ	اب جو سینے میں مرے ہر داغ اخگر سا بنا
شمع نے رو رو کے کاٹی رات سولی پر تمام	شب کو جو محفل سے تو اے زیبِ محفل اُٹھ گیا
سوؤں میں کیا کہ مرے پاؤنکو بھی زنداں میں	آرزوئے خلشِ خار نے سونے نہ دیا

یاس وغم رنج وتعب میرے ہوئے دشمنِ جاں
اے ظفر شب اِنھیں دو چار نے سونے نہ دیا

دیکھکر اس بُتِ کافر کے ستم
اے ظفر مجکو خدا یاد آیا

یاد میں اُسکے گلِ عارض کی اشکِ خوں سے رات
لی جدھر کروٹ اُودھر بستر گلابی ہوگیا

گردشِ چشمِ بتاں سے دل کو ہو کب مخلصی
حلقہ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا
خار سا کھٹکے ہے جی میں اُسکی مژگاں کا خیال
ہے رگِ جاں میں یہ نشتر کیا غضب ڈوبا ہوا

آیا مژگاں سے مری جیب پہ سو بار سرشک
پر غبار اسکے نہ دل پر کبھی دھوکر آیا

مثالِ نقشِ قدم بیٹھکر اُٹھوں کیونکر
ازل سے حق نے مجھے ناتواں بنایا تھا

بیان کیجے اگر احوال اپنی شامِ غربت کا
گریباں تا بدامن چاک ہو صبحِ قیامت کا

جنوں صد آفریں کیا ہی اُڑائیں دھجیاں تونے
رہا پُرزہ نہ دامن کا نہ اک ٹکڑا گریباں کا

خاک ہو کر بھی بگولے کی طرح چین نہیں
حال ابتر ہے یہ کچھ تیرے ہوا خواہوں کا

پیام بر جو اُدھر سے مرا نہیں آتا
تو کیا کہوں کہ مرے دل میں کیا نہیں آتا
غریق بحرِ محبت پہ تیرے کیا گذری
کسی سے سُننے میں کچھ ماجرا نہیں آتا
نہ ہو فراق میں جب تک کہ خوب بے مزگی
وصالِ یار کا ہرگز مزا نہیں آتا

موڑا نہ کبھی مُنہ تری شمشیرِ جفا سے
میرا سا کسی کا بھی جگر ہو نہیں سکتا

کبھی جا کر نہ پھرتا ئیں گلی میں خوبرویوں کی
اگر مجکو نہ میرا یہ دلِ مضطر لئے پھرتا

نہ تھا کچھ دور تو رستہ بہت اس یار کے گھر کا
مگر ہمکو ہماری ناتوانی نے تھکا مارا

جانے دو جاتا ہے گر عمرِ رواں کا کارواں
ٹھہر جائیگا کہیں آخر کہاں تک جائیگا
دام سے صیاد مرغِ ناتواں چھوٹا تو کیا
یہ نہیں اُمید اُڑ کر آشیاں تک جائیگا

مَیں اور دوں دل اپنا کسی کو ترے سوا
تیرا خیال یہ کدھر اے نازنیں گیا

اسیرانِ قفس کا دم ہوا ہوتا ہے حسرت سے
چمن سے کیا کوئی جھونکا نسیمِ صبح کا آیا

حرفِ تلخ اُس لبِ شیریں سے مزا دیتا ہے
چھیڑ کر کرتے ہیں ہم اسلئے دشنام طلب

دامِ بلائے زلف میں کچھ بے طرح سے دل جا کر پھنسا ہے دیکھیں رہائی ہو کس طرح
نہیں ہے ایک اُسی گلعذار سے اخلاص اُسے ہزار سے اُلفت ہزار سے اخلاص

جو دیکھوں بزم میں اس شوخِ جنگجو کی طرف چھُری کو دیکھ کے دیکھے مرے گلو کی طرف

کیا ستم ہے وہ صریحاً ہم پہ کرتے ہیں ستم اور کہتے ہیں کہ یہ لُطف و کرم کرتے ہیں ہم

گو بن گیا ہوں سوکھ کے کانٹا سا میں حقیر لیکن کھٹکتا اب بھی ہوں چشم حسود میں

کوہ کو پانی نہ کر اے نالۂ خارا گداز آبدار مارے سر سے ہمیں دو چار پتھّر اور ہیں

اے خدنگِ یار کیوں سینہ سے نکلا جائے ہے ہم ترے رہنے کو اپنے دل میں گھر دیتے تو ہیں

جلد آ کہیں اے رشکِ مسیحا کہ یہ ہے حال پانی ہیں چواتے ترے بیمار کے مُنہ میں

میں باغ دلکشا میں بھی تجھ بن گرفتہ دل ہوں اس طرح کہ جیسے گنہگار بند ہیں

تسلّی ہم کو ہو جاتی ہے جب دم غیر کے مُنہ سے شکایت ہم تری اے دلربا اظہار کرتے ہیں

دیکھ تو ہجر کی شب کیونکہ تیرے سوختہ جاں
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

یہاں تو کہتے ہیں لائینگے ہم کچھ اسکو کہہ سنکر
وہاں جا کر مرے ہمدم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

کہے دیتی ہیں نگاہیں ہی تمھاری سب کچھ
کیا ہوا اگر نہیں تم کہتے حیا سے کچھ ہو

سینہ پہ دھر کے دیکھ ذرا ایک بار ہاتھ
یہ حال ہے کہ اچھلے ہے دل چار چار ہاتھ
تیرا دلِ رسیدہ ہوا کب کسی کا صید
قسمت سے آگیا ہے ترے یہ شکار ہاتھ
جلا جی نہ دل مفت لیکر کسی کا
کہا بھی تو مان اے ستمگر کسی کا

بیطاقتی دل سے یہ حالت ہے کہ اب تو
اشک آنکھ سے بھی میری رواں ہو نہیں سکتا

(۴۶) مرزا رحمت بخش عرف منجھلے مرزا المتخلص بہ عاشق

دوستوں نے پسِ مردن یہ کیا مجھ سے سلوک
کہ رکھا اس ستم آثار کی دیوار کے پاس

پگھلے نہ دل بتوں کا نہ دل غیر کا جلے
نالوں کے اب اثر وہ خدا جانے کیا ہوئے

(۴۷) مرزا نظام الدین المتخلص بہ عاشق

دورِ فراقِ جورِ بتاں نالۂ ہائے شب
کن کن مصیبتوں میں خدایا نہیں ہوں میں

اس گل کی مگر باغ میں آنے کی خبر ہے
ہر غنچہ لئے ہاتھ میں اک مشت جو زر ہے

(۴۸) مرزا عالی بخت بہادر المتخلص بہ عالی

مژگانِ ستمگر کی طرح روزِ ازل سے
جو شخص کہ ٹیڑھا ہے وہ سیدھا نہیں ہوتا

حاضر ہوا جو یار تو قسمت کا پھیر دیکھ
معدوم وہ کمر ہوئی غائب دہن ہوا

آبِ دمِ شمشیر کا کسکے ہے یہاں ذکر
پانی جو بھر آیا ہے لبِ زخم جگر میں

جوں نخلِ شمع ہوں نہ کبھی سبز آب سے
آتش اگر ہو سر پہ رہوں آب و تاب سے

(۴۹) مرزا عزیز الدین المتخلص بہ عزیز

کہوں ہمدمو کیا کہ اس دل کے ہاتھوں
نہ تھا دیکھنا سو وہ ناچار دیکھا

تو جو تیغہ کو اُدھر قاتل اُٹھا کر رہ گیا
مَیں اِدھر حسرت سے اپنا سر جھکا کر رہ گیا

میں یہ حیراں ہوں عزیزو آہ یہ کیا ہو گیا
بیٹھے بیٹھے عشق کا آزار کیسا ہو گیا

(۵۰) عشرت

صبا جب آئی تو اُڑ کر مرا غبار آیا
موئے پہ بھی تیرے کوچہ میں لاکھ بار آیا

خاک ہونا بھی ہوا حق میں ہمارے کیمیا
ورنہ دامن تک پہنچنا اسے فلک دشوار تھا
کر دیا آساں وہ تیری نگاہِ قہر نے
ورنہ مرنا سخت جانی سے مجھے دشوار تھا

قیس جنگل میں رہا کوہ میں فرہاد رہا
بے ٹھکانوں کا تمہارے ہی ٹھکانا نہ ہوا
کیا بھروسہ تیرے وعدہ کا کریں ہم کہ کبھی
جھوٹوں بھی ہم سے تو اے شوخ تو سچا ہوتا

کشتے تو لوٹتے تھے پر قتل گہ میں قاتل
خنجر کو دیکھتا تھا اور اپنی آستیں کو
تم جو کہو سو سچ ہے کس واسطے کہ ناصح
دیکھا نہیں ہے تم نے اب تک کسی حسیں کو
اب تو ستم ہمیں پر ہیں روز تازہ تازہ
پر یاد بھی کرو گے اے دلربا ہمیں کو
خوشبو کی آج لپٹیں آنے لگیں کہاں سے
کھولا ہے اس نے شاید پھر زلفِ عنبریں کو
عشرت تجھے کچھ اپنے مرنے کا غم نہیں ہے
دشمن ترے جہاں ہیں جاتا ہے تو وہیں کو

تن سے بھی اتر کر نہ گرا پاؤں پر اسکے	کیا کیجئے قسمت ہی بُری ہے میرے سر کی

(۵۱) مرزا بلند بخت فدا

حشر میں پرسش مری پہلے ہو یارب ورنہ میں	جب تلک چپکا رہونگا جی مرا گھبرائیگا
خاک ہو جائیگا جلکر اک نہ اک دن دیکھنا	سوز پنہاں سے رہیگا دل سلامت کب تلک
مجھ سے مل جائے جو وہ غنچہ دہن آکے فدا	اپنے جامہ میں وہ پھولوں کہ سما بھی نہ سکوں
جانباز زمانہ میں کوئی ہو وہ فدا سا	جو تیر کے پیکاں کو کلیجہ سے لگالے

(۵۲) مرزا سکندر بخت المتخلص بہ فدا

مجھ ناتواں کو سانس بھی لینا محال ہے	پہونچیگی خاک میری دعا آسماں تلک
نہ آیا کوچۂ قاتل سے پھر کر	الٰہی ہو گیا کیا نامہ بر کو
فلک بہتا پھریگا بلبلا سا	نچوڑا میں نے گر دامانِ تر کو
تمھیں آؤ تو آؤ ورنہ ہم تو	اُٹھا سکتے نہیں بالیں سے سر کو

(۵۳) مرزا محمد عمر سلطان فروغ

دیا ہو جھوٹ ہی کو نامہ بر نے مژدۂ وصل	پہ اسکے کہنے سے دل کو تو اک قرار آیا

کیا ہو آپ نے گو سچ ہی وعدہ آنے کا
یہ سوچئے تو کہ مجھکو کب اعتبار آیا

فروغ چھا گئی آنکھوں میں اک تجلی طور
سحر نقاب اُٹھا کر جو وہ نگار آیا

تھا میں تو ز خود رفتہ اسے دیکھتا کیونکر
بے پردہ کیوں رہے وہ یاں پردہ نشیں تھا

دل لیا جان بھی لی اور وہ میرا نہ ہوا
رنج اس شوخ سے ملکر مجھے کیا کیا نہ ہوا

سوز دل کا نہ بجھا ہائے مرا گرچہ فروغ
کب میں رویا کہ رواں چشم سے دریا نہ ہوا

دیکھئے خط کا کیا جواب آئے
واں گیا تو ہے نامہ بر اپنا

دل تو ہم دینگے اس ستمگر کو
وہ سمجھے اسے اگر اپنا

ہم سے بھی کچھ کہا کر دل دل میں مت گھٹا کر
آخر فروغ تیرے مدت کے یار ہیں ہم

رنج دینے لگے وفا دل کو
اتنے انداز تو سکھا دل کو

کیوں نہ ہر دم گرے وہ برق نگاہ
اس نے سمجھا ہے آئینہ دل کو

ایک الجھاؤ اس کی زلفوں کا
سو بلا کا ہے سامنا دل کو

دل تو نہیں دیا ہے کچھ تو کہو فروغ اب
ہے ربط اندنوں میں کیوں نالہ و فغاں سے

کوئی مر جائے دردِ فرقت سے
تم تو بیٹھے رہو فراغت سے

کبھی بوسہ نہیں بغیر نہ دے
ہے وہ ناچار اپنی عادت سے

لے کے آئے ہو ساتھ غیروں کو
باز آیا میں اس عنایت سے

چرخ دیکھیں رلائیگا کب تک
آج کی شب کٹی ہے عشرت سے

کیونکہ اندھیر زمانہ میں نہ ہو اس نے فروغ
کوئی رکھا نہ میرے نام کا زندہ باقی

(۵۴) مرزا منجھلے المتخلص بہ فسوں

رولاتے نہ تم گھر عدو کا نہ بہتا
اُٹھایا ہوا ہے یہ طوفاں تمھارا

کیوں دوست اٹھا لائے مجھے کوچے سے اُسکے
گو جاں پہ ستم تھا مگر آرام وہیں تھا

واں ظلم اُٹھاتے تھے یہاں قبر کے صدمے
ہے زیرِ زمیں وہ ہی جو بالائے زمیں تھا

لئے آتا ہے نمک سے وہ نمکداں لبریز
اے لبِ زخم تو اپنی بھی تمنّا دکھلا

جدھر کو جاتے ہیں بہتاں ہمپہ اُٹھتے ہیں
قدم نکالنا گھر سے ہمیں عذاب ہوا

دیکھکر محرابِ ابروئے صنم کو اے فسوںؔ
خود بخود زاہد کا بہر سجدہ سر خم ہوگیا

لے گیا کون مرا صبر و تحمل دل سے
آج بیتاب جو پھرتا ہوں میں گھر سے نکلا

آرزو فریاد کی اور حشر میں عرصہ بہت
دیکھئے کس دن ملے چھاتی سے پتّھر گور کا

آرزو نکلی نہ جاں دیگر بھی اے عیسیٰ نفس
ہم سنا کرتے تھے آوازہ ترے اعجاز کا

رکھا دل کی جا ہم نے پیکاں تمھارا
یہ مہماں ہمارا وہ مہماں تمھارا

مرضِ عشق سے جاں بر نہ ہوا ہائے فسوںؔ
[illegible]نت بیچارہ مصیبت میں گرفتار رہا

اچھا ہوا کہ حشر کے ہنگامے سے بچے
ہونا تھا جو یہیں دمِ رفتار ہو گیا

فسوںؔ ناز اور اٹھاؤ دم لبوں پر آن پہنچا ہے
گھڑی بھر کے لئے اپنا کیا سارا مٹاتے ہو

بس ہو چکی اے ناخنِ غم سینہ خراشی
اب جانِ فسوںؔ کی دلِ نالاں میں نہیں ہے

اللہ رے گرمی کہ رقم ہو نہیں سکتی
کاتب سے حقیقت بھی مرے سوزِ جگر کی

ہزار ہل نہیں سکتے پر اسکے کوچہ تک
پہنچ ہی جائیں اگر شوق رہنما ہو جائے

(۵۵) مرزا احسن المتخلص بہ فکریؔ

جوں نکہتِ گل گردشِ تقدیر سے فکریؔ
ہم خانہ بدوش آہ رہے اپنے وطن میں

میرے جلتے ہی کہا باہر چلو آتا ہوں میں
گھر سے اس پرفن نے ٹالا مجکو کس تدبیر سے

شاید اے قاصد یہ باتیں ہیں زبانی یار کی
صاف آغوشِ کماں سے تیر جاتا ہے نکل

جان سی آتی ہے کچھ مجھ میں تری تقریر سے
واقعی دیکھا تو ہے نفرت جواں کو پیر سے

شل قلم اور کے میں ہاتھ ہوں
ہم گنہگاروں کی قسمت میں کہاں ہے ہر چند

آپ نہیں چلنے کا یارا مجھے
کوچۂ یار میں جنّت کی ہوا آتی ہے

(۵۶) مرزا علی بخش المتخلص بہ قابل

یہ خار اور یہ صحرا اور یہ برہنہ پائی
وحشت مری کرگئی کیا کیا خراب مجکو

لکھا تھا وہ ہی کہ جو تھا نصیب کا لکھا
بلا سے خط کا جواب اُس نے کچھ لکھا تو سہی

ہو چکی توبہ ہم سے اے قابل
جب تلک عالم جوانی ہے

(۵۷) مرزا قادر شکوہ قادر

دیکھتے دست درازی مری وحشت کی اگر
مرقد میں جو بیتاب تمھارا یہ حزیں تھا
ایسا میں سمجھتا تو نہ ملتا کبھی ناصح

کچھ سلامت مرے جامہ میں گریباں ہوتا
اک شورِ قیامت سا بپا زیرِ زمیں تھا
دل مفت میں لیجائیگا یہ کسکو یقیں تھا

نوبت ہی نہ تلوار تلک پہونچی کہ ہم کو	خنجر سے زیادہ وہ خط چین جبیں تھا

کس کو تھی یاں رات ساقی بیکشی کی احتیاج	جو کہ تھا اس نرگس مئیگوں سے ہی سرشار تھا
دیکھکر صحرائے محشر میں مجھے ثابت قدم	پانوں پڑ پڑ کر ہٹاتا دمبدم ہر خار تھا
پاس وہ آتا تو کیا آتا کہ وحشت سے مجھے	آپ میں پہروں میں بھی آنا مجھے دشوار تھا
لے گیا مقتل میں وہ خون شہید ناز کو	تو تو تھا ہی پر ترا خنجر غضب خونخوار تھا
مجھے بھی جذبۂ وحشت پہ ناز ہے کہ یہاں	کہاں کہاں نہ مرے واسطے پھرا صیاد
بہار آئی کہ بلبل پہ اک بلا آئی	چمن میں آنے لگا روز اک نیا صیاد

(۵۸) مرزا قمر طالع المتخلص بہ قمر

دامان وصال اسکا نہیں غیر کے بس کا	پہونچا ہی اُترتا ہے وہاں دست ہوس کا

نالاں ہے قمر وار غم عشق سے وہ بھی
کب ہرزہ دراؤں پہ کھلا راز جرس کا

(۵۹) مرزا غلام نصیر الدین المتخلص بہ قناعت

گر انقلاب دہر یہی ہے تو ہے اُمید	آجائیگا زمانہ کبھی وصل یار کا

پھرتی ہے اپنے ساتھ لئے در بدر اُسے
کھویا صبا نے وقر ہمارے غبار کا

کچھ عشق کے ہیں طور نرالے کہ کر دیا
صاحب کو بندہ ترکِ نگاہِ ایاز کا

ظلمت کا دود دل سے زبس شب وفور تھا
داغوں کا تھا چراغ پہ پیدا نہ نور تھا

دیوان ہوا تھا کسکا کہ محشر کے بعد بھی
دیکھا تو مدتوں وہی افغان و شور تھا

تزئین میں آئینہ کی نظارہ کا تھا نہ دھیان
ورنہ مزاجِ حسن تو کیا کچھ غیور تھا

دیکھنا شوق شہادت جب لگی قاتل کو دیر
نوکِ مژگاں سے ہی دل کا رسناں پینے لگا

اسکے یہ کہنے کے میں صدقے کہ گھبرا کر کہا
سانس اُلٹی ہائے کیوں یہ نوجواں لینے لگا

جلائے آئینہ ہوتی ہے خاک سے ظالم
صفا بھی چاہئے ہو دل میں جب غبار آیا

کیا حلق بھی میرا تھا کوئی حرفِ شہادت
رکھتا جو زباں پر بھی ترا خنجر کیں تھا

تا کر نہ سکوں اس سے تغافل کی شکایت
جب دیکھنے آیا کہ دمِ بازپسیں تھا

کچھ تو وہ شوخ ہے بر خود غلط اور کچھ میں غیور
اک نہ اک حیلہ سے واں تک مرا جانا نہ ہوا

خواب جوں چشمِ زلیخا جلوہ گاہِ یار تھا
پردۂ غفلت بھی اپنا دیدۂ بیدار تھا

اُس نے جب تھانبا مجھے مَیں نے نہ تھانبا آپکو
بیخودی میں بھی میں ہمدم کسقدر ہشیار تھا
ہائے ری شوخی کہ ظالم کے خرامِ ناز تک
اِتنی جلدی پر پہونچنا شوق کو دشوار تھا

پرے گو لامکاں سے وحشتِ آہو ہے جلوہ کو
نگاہِ شوق سے آگے پڑے ہے پانوں الفت کا
سمجھتا ہوں کہ وہ بھی تیرے ہی غمزہ کی شوخی ہے
کبھی گر حال سنتا ہوں قیامت کی صعوبت کا
نہ ہوتی گر غلط اندازیاں منظور جلوے کو
دوئی کو کیوں بناتا پردہ وہ رخسارِ وحدت کا
گنہ اپنے تو کیا زاہد کی نیکی بھی ہے واں عصیاں
بڑھا ہے رتبہ کیا عصمت میں دامانِ طریقت کا

کھویا غمِ فراق نے دل سے جہاں کا غم
غم ہی ہمارے واسطے غم خوار ہو گیا
ہنگامِ طوف دھیان بتوں کا رہا مجھے
میں کعبہ جاکے اور گنہگار ہو گیا
میں جاگ اُٹھا جو خواب میں آیا وہ فتنہ گر
کیوں بخت میری طرح نہ بیدار ہو گیا

فیضِ اسلام سے بھی کفر کا جانا معلوم
سبحہ کے دل میں سدا رشتۂ زنار رہا

ضعفِ پیری نے کیا راست روی پر مائل
تیر کے حکم میں ہے قد کا کماں ہو جانا
وقتِ دیدار کے گریہ کو تو روکوں لیکن
ایک آفت ہے یہ آہوں کا دھواں ہو جانا
شوخیاں برق کی سیکھیں ہیں کہ رخ دکھلاکر
دم کے دم میں وہیں نظروں سے نہاں ہو جانا
دل کا آنا تو حسینوں پہ نہیں چنداں پر
ہے غضب ہر کس و ناکس پہ عیاں ہو جانا

بدن میں جان بھی باقی نہیں ہے اپنی تو اور
خیال یار کو اب تک ہے آزمانے کا

سانس کے ہمراہ ہوتی ہے کھٹک سی کچھ مدام
دل مرے بر میں ہے یا پیکاں ہے تیرے تیر کا

لاغری سے پیرہن ہے بن گیا سامانِ قید
ہے گریبان ایک حلقہ پاؤں کی زنجیر کا

دل کھچے جاتے ہیں لاکھوں دیکھکر رفتار کو
نقش پلٹے یار گویا نقش ہے تسخیر کا

ہائے رے شوق شہادت اسکی اس نفرت پہ بھی
دل نے پیچھا ہی نہ چھوڑا مثل پیکاں تیر کا

ناتوانی کو بھی ہے کیا کیا کفایت پر نظر
ہے گلے کا طوق ہی حلقہ مری زنجیر کا

کام جب تدبیر سے بگڑے تو قسمت پر رکھیں
تہمتوں کے بوجھ سے سر ہے گراں تقدیر کا

مری آنکھوں ہی سے لیویگا عوض اسکی بھی چرخ
گر لب زخم جگر بھی کبھی خنداں ہوگا

بدگمانی کا برا ہو کہ ہے آغوش میں اور
دل یہ کہتا ہے کہ گھر غیر کے مہماں ہوگا

نہیں معلوم کیا ہے وہ کہ اُسے
کوئی بُت اور کوئی خدا سمجھا

دلچسپیاں تو دیکھو آپس کی ہمدمو وہ
غیروں کو دیکھتا ہے مجھ سے نظر بچا کر

کیا جانے کس طرف کو قناعت نکل گیا
مدت ہوئی کہ وہ نہیں آتا نظر کہیں

ضعف اپنا یاں تلک پہونچا کہ ہم
آ نہیں سکتے تمہارے دھیان میں

لوگ سمجھے کفر اور یاں بت کو دیکھ
کچھ ترقی ہو گئی ایمان میں

ہم کو جو دے ہے چرخ تو ہم سے پھر وہی واپس لیتا ہے
ہم بھی یہاں دولاب کی صورت اُلٹی قسمت رکھتے ہیں

آگے قیامت آفت ہو گی ڈھنگ یہی ہیں آپ کے گر
ماشاء اللہ آپ ابھی سے اتنی شرارت رکھتے ہیں

سنگدل جب میں تری بزم میں آجاتا ہوں
روگ اک اور نیا دل کو لگا جاتا ہوں

اس توقع میں کہ لائی ہے کوئی مژدۂ وصل
مثلِ گل دیکھ صبا کو میں کھلا جاتا ہوں

روزنِ آہ ہوئے دل کے مگر بند کہ اب
دم کچھ اس طرح گھٹے ہے کہ موا جاتا ہوں

ضعف پہونچا ہے یہاں تک کہ میں جوں کاغذِ باد
گر ہوا چھیڑے تو کوسوں ہی اُڑا جاتا ہوں

دم آخر ہے ذرا دیکھ تو لوں سیر اسکو
اے اجل میں ترے ہاتھوں سے موا جاتا ہوں

مرتے مجھے دیکھا تو بولا متبسّم ہو
آج آپ زیادہ سے مضطر نظر آتے ہیں

مستی یہ ٹپکتی ہے آنکھوں سے کہ اُس لب پر
خالی ہوئے اور پُر ساغر نظر آتے ہیں

اظہارِ ہنر اے دل مت کیجو کہ آئینہ
ہوتا ہے مکدر جب جوہر نظر آتے ہیں

کیسا ہے قناعت تو ہم سے بھی تو کہہ ظالم
احوال ترے ہر دم بدتر نظر آتے ہیں

موجۂ ریگ بھی اس جا کی ہے گویا دمِ تیغ — پانؤں رکھیں ترے کوچہ میں یہ مقدور نہیں

مجھ میں اور تجھ میں ہے موسیٰ و تجلی کا سا ربط — ایک مژدہ ہے یہ کہنا بھی کہ منظور نہیں

کچھ انا الحق میں بھی جو بوئے انانیت ہے — تو سیاست کے سوا اور خورِ منصور نہیں

حسرتِ کشتہ کی ہے داد رسی سے مجھے یاس — کہ قیامت بھی ہو بر حق پہ یہ محشور نہیں

خلوتِ دل ہے ترے حسن کو اک پردۂ شرم — لایقِ طرزِ حیا جلوہ گہ طور نہیں

آشنا ہر نگہِ شوق سے ہے پرتوِ حسن — گو ہے پردہ میں پر اس پر بھی وہ مستور نہیں

ناتوانی سے ہوں میں قید کہ گویا کہ نہ تھا — میں بھی جز حرفِ فراموش لبِ گور نہیں

امید پر ترے جولان کی کب تلک ظالم — صبا سے اپنا بچائے ہوئے غبار رکھوں

یہ تو مانا امتحاں کے بعد ہوگی قدر کچھ — پر کریں کیا وہ ستمگر آزماتا ہی نہیں

کیوں نہ شک جائے مجھے جبکہ مری بیٹھ کے پاس — مضطرب ہو کے تم اس طرح سے در کو دیکھو

کھلے محشر میں ہیں دفتر کے دفتر حرفِ شکوہ کے — مبادا خوں سے آلودہ کہیں دامانِ قاتل ہو

سینے میں دل جو اچھلے زیرِ زمیں تو ظالم — جوں گرد جا ٹھیراوے افلاک سے زمیں کو

خوں کشتۂ دل جگر کا کیا حال پوچھتے ہو — دیکھو تم آکے میرے دامان و آستیں کو

قسمت کی دست گردی جاوے کہاں ڈگرنا
میرے غبار نے تو پکڑا ہی تھا زمیں کو

کچھ یہ بھی مصلحت تھی جو وہ دہن بنا کر
پردے میں سو گماں کے پنہاں کیا یقیں کو

جھڑتے ہیں پھول اپنی رنگینی سخن سے
گل چیں بنا دیا ہے اب ہم نے نکتہ چیں کو

ذوقِ ستم میں پاس سے اُٹھا نہ ایک دم
یارب وہ شوخ مجھ پہ کبھی مہرباں نہ ہو

عنقا کا آشیاں ہے زبانِ جہان پر
اہلِ فنا کا نام تو ہے گو نشاں نہ ہو

مَیں ہوں وہ ناتواں کہ سعیِ صبا سے بھی
میرا غبار بدرقۂ کارواں نہ ہو

پتّھر کے سامنے ارنی ہر سوال میں
ہو کس طرح جو رغبتِ روئے بتاں نہ ہو

تیرے لئے گر اتنے مسلماں نہ جان دیں
آباد بھی یہ کوچۂ جنت نشاں نہ ہو

چلیو صبا سمجھ کے کہ اُس گل کی راہ میں
افتادہ مثلِ گرد کوئی ناتواں نہ ہو

نازک ہے وہ دماغ صبا بوئے گل نہ لا
ساتھ اسکے عندلیب کا بھی کچھ فغاں نہ ہو

عشق و ہوس میں ہو ہی رہیگی اب امتیاز
آئی ہے طبع آپ کی گر امتحاں پہ کچھ

کہتے ہیں میرے حالِ پریشاں کو دیکھ لوگ
آفت نئی سی آئی ہے اس نوجواں پہ کچھ

اتنا بھی ضبط کیا ہے قناعت کہ اب تلک
تیرا کھلا نہ حال ترے راز داں پہ کچھ

جھٹکا کچھ اس طرح سے کہ جی ہی نکل گیا
رکھا جو میں نے دستِ بتِ فتنہ گر پہ ہاتھ

بنوا چکے بھویں بس اشارے سے کیجے قتل
اب دیر کیا ہے تیز بھی تلوار کر چکے

پہونچیں نہ کامِ دل کو تو قسمت وگرنہ ہم
مطلب تو باتوں باتوں میں اظہار کر چکے

اے ضعف جا کہ ہاتھ سے تیرے شبِ وصال
بندِ قبائے یار بھی ہم سے نہ وا ہوئے

بظاہر تو آپ آئے ہیں صلح کو لیکن
اسی کو تیغ بھی زیبِ کمر ہے کیا کہئے

تا غمزۂ خونخوار کا پاک اس سے ہو دامن
شوخی سے لیا نام قضا کا مرے آگے

سامنے اُسکے ہیں یوں گویا کہ ہم
بیٹھتے ہیں نا آشنا کے سامنے
اے بتو جو چاہو اب کر لو ستم
ہو رہیگی کچھ خدا کے سامنے
اپنی بیماری سدا کرتی رہی
شکوۂ غفلت شفا کے سامنے
اب اجابت میری ناکامی کو دیکھ
ہے خجل کیا کیا دعا کے سامنے

اُلجھ کے تو ہی چل اے خار دو قدم کہ یہاں
ہم اپنے ساتھ کوئی ہمسفر نہیں رکھتے

شوق کو کثرتِ نظارہ سے رشک آتا ہے
حشر سے پہلے میسّر ہو وہ دیدار مجھے
کعبہ تک جانے میں تھی خاطرِ زاہد ورنہ
دیر میں بھی تھی سدا رخصتِ دیدار مجھے
جنسِ دزدیدہ کے مانند ہے الجھاؤ میں جان
کہ نہ لیتا ہے نہ پھیرے ہے خریدار مجھے
میں بھی کیا گرد ہوں صحرائے جہاں میں کہ مدام
جھٹکے دامن کو پڑے جس سے سروکار مجھے

راز دل لب پہ نہ لانا کبھی منصور کی یاں — کر دیا بات کے کہنے نے گنہگار مجھے

کعبہ سے چل کہ دیر ہوا اب بتوں کا گھر — دوڑے ہے کاٹ کھانے کو خالی مکاں مجھے
پڑ پڑ کے پانوؤں مجکو بٹھاتے ہیں خارِ دشت — پھر ایسے قدر دان ملینگے کہاں مجھے

وہ خستہ دل قناعتِ بیچارہ ہی نہ ہو
کل ناتواں سا ایک ملا تھا جواں مجھے

اس حال میں تو منتِ دشمن بھی ہے قبول — کچھ میرے حق میں سعی کرے جس سے ہو سکے
اب تو شب وصال ہے تھم چشم اشکبار — رو لیجیو فراق میں جتنا کہ رو سکے

گئے تھے تم کہاں آئے کہاں سے — کہ ہے مسکی ہوئی چولی قبا کی

واعظ ہے مجھے آتشِ دوزخ کا ڈر و لیک — ساتھ اسکے توقع بھی ہے کچھ دامنِ تر کی

رفتہ رفتہ دیکھئے کس کسکے منہ پڑتی ہے بات — میری وحشت کا ابھی تو آٹھ دن میں شور ہے

(۴۰) مرزا خدا بخش المتخلص بہ قیصر

کریں گر کلفتِ دل کا بیاں ہم — ملا دیں خاک میں ہفت آسماں ہم

ہوس غیر سے عشق اپنا اُسے یاد آیا
کیا نئی طرح سے ہم اپنا گذر کرتے ہیں

تو لطف کرے یا نکرے خوش ہو کہ ناخوش
اس بات پہ مرتا ہوں کہ عاشق ہوں ترا میں

اسکو میں خاک ہونیکا چرچا ہے جا بجا
نام اپنا جب ہوا کہ رہا کچھ نشاں نہیں

جنوں میں بھی مری شوکت نہیں جاتی کہ اے قیصر
جہاں جاتا ہوں میرے ساتھ اب لڑکوں کا لشکر ہے

نبھیگی خاک محبت کہ نام ہے قیصر
وہ اپنے زعم میں سمجھیں ہیں مالدار مجھے

(۶۱) مرزا ناصر الدین کامل

نوچ کر پر قید سے چھوڑا تو کیا چھوڑا ہمیں
تو ہی کہہ اس حال میں جائیں کہاں صیاد ہم

اس ستمگر نے عشق میں کامل
جو نہ کرنا تھا سو کیا ہم نے

کامل آشفتہ سر کو دیکھکر کہنے لگے
رہ گئے ہیں ایک ہی عاشق مری تصویر کے

(۶۲) مرزا جمعیت شاہ المتخلص بہ ماہر

پہلے اک سوز سا تھا دل میں پر اب تو ہمدم
شمع کی طرح ہے شعلہ مرے سر سے پیدا

ہم بھی ضرور کعبہ کو چلتے پر اب تو شیخ | قسمت سے بتکدے ہی میں دیدار ہو گیا
ناصح کی بات سننے کا کسکو یہاں دماغ | تیرا ہی ذکر تھا کہ میں ناچار ہو گیا

اے ہمنشیں وہ حضرتِ ماہر نہ ہوں کہیں
اک پارسا سنا ہے کہ میخوار ہو گیا

ہوں وہ دیوانہ کہ روتے ہیں مرے احوال پر | چشمِ حسرت سے ہر اک حلقہ مری زنجیر کا
کھینچ لے اے چارہ گر پہلو سے میرے دل سمیت | ورنہ مشکل ہے نکلنا یوں تو اسکے تیر کا

چارہ گر شغل کو کچھ کچھ تو خلش بھی ہے ضرور | رہنے دے دل میں اگر ناوکِ دلدار رہا

لبوں تک آ نہیں سکتا ہے نالہ سینہ سے | اور اتنے ضعف پہ ہے قصد سر اُٹھانیکا
ہر اک قدم پہ ہیں سو سو قیامتیں برپا | نہیں وہ چال کہ فتنہ ہے اک زمانیکا
سمجھ ہی اُلٹی ہے دیوانگانِ اُلفت کی | کہ دل کے جانے پر رکھتے ہیں نام آنیکا
ملے پہ بھی نہ ہوا ہم سے وہ ستمگر صاف | کہ ڈھنگ یہ بھی ہے اک خاک میں ملانیکا
وہاں تو روز ترقی ہے اور یہاں مقدور | نہیں ہے ایک بھی دم کے ستم اُٹھانیکا
ترے تو لطف سے بھی جان کانپتی ہے کہ یار | نہیں ہے برق سے کم طور مُسکرانیکا

نہ ربط ایک سا ہر ایک سے رکھو ماہر
ذرا تو دیکھو کہ کیا ڈھنگ ہے زمانے کا

کیا میں بھی کوئی نقشِ کفِ پا ہوں کہ ظالم
رفتار میں موجود تھا ٹھوکر میں نہیں تھا

رو دیا قتل کے بعد اُس نے پشیماں ہو کر
اُسکو پیدا جو جفاکش کوئی مجھ سا نہ ہوا

آتے ہی دل میں لبِ معشوق تیرِ یار تھا
میرے اور اسکی طرح ان میں بھی باہم پیار تھا

کشمکش میں بھی اگر رکھا تو میری خاک کو
باد کا جھوکا بھی اُسکی شوخیِ رفتار تھا

خون کی میرے دیت مجھ سے لینی تھی ضرور
قتل کا میرے سبب میرا لبِ اظہار تھا

جو اشارہ تھا حریفوں سے سو میرے قتل کا
ترکِ چشمِ یار تھا تو مست پر ہشیار تھا

بیخبر دل اور جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے
اِن پہ کس کافر کی دزدیدہ نظر کا وار تھا

اپنی نادانی تو دیکھو بیوفا سے جور کو
اس طرح سر پر لیا گویا ہمیں درکار تھا

جذبۂ دل میں بھی تھا اس ناتوانی کا اثر
اُسکا رُخ گہہ سوے عاشق گہہ سوے اغیار تھا

سربلندی روزیِ حق گو ہے کوئی وضع ہو
تھا سرِ منصور اونچا گو بسعی دار تھا

خدا ہی جانے اثر تھا یہ کس کی شوخی کا
کہ دل میں ہوتی تھی رہ رہ کے بیقراری رات

تمام زلف کو یوں دل نے چھان مارا ہے
کہ جس طرح کوئی رستہ چلے ہے ساری رات

ہونا پامال جو قسمت میں نہ تھا اپنے تو کیوں
اتنے اندازوں میں آئی تری رفتار پسند

ٹھوکروں میں ہی رکھے دل کو مرے تا دمِ زیست
گر سمجھ لے کہ اسے ہے مری رفتار پسند

بیتابی دل دیکھ جگر کے ہوے ٹکڑے
ہمدرد ہوا تھا اُسے ہم خانہ سمجھ کر

کعبہ بیت اللہ ہے اور اس میں نہ تھا بت کے سوا
اہل حق کرتے ہیں زاہد بت پرستی دیکھکر

خاک اُڑائینگے ترے دیوانے کب تک دشت میں
پڑ رہینگے کوئی گورستاں کی بستی دیکھکر

یوں ہی اگر رہینگے یہ وحشت کے ولولے
صحرا میں ہل رہینگے کبھی خار اور ہم

وصل کی رات ہر اک بات پہ منہ پھیر کے وہ
ہیمزا یوں ہے کہ گویا اُنھیں منظور نہیں

رونا تھا دل کے ساتھ سو خوں ہو کے بہ گیا
اب دل نہیں تو نام کو بھی چشم نم نہیں

محراب جانتے ہیں اہل دین اِسے
کافر یہ مرتبہ ترے ابرو کا کم نہیں

رگڑے ہے ایک عالم در پر ترے جبیں کو
کعبہ سمجھ لیا ہے گویا اِسی زمیں کو

بولے تو تھے پر اسکی حاضر جوابیوں سے
ناچار چپکا رہنا آخر پڑا ہمیں کو

جیتے تو آسمان سنا دشمن ٹلا نہ سر سے
چھاتی کی سل موے پا جاتا ہوں اب زمین کو

مجکو تو اس دہن کا ہونا عدم یقین ہے
جب بوسہ مانگتا ہوں سنتا ہوں میں نہیں کو

تیرے تو نقش کی بھی ظالم نہ تھی توقع
کیا جا کے پھوڑتے ہم کہسار میں جبیں کو

جوں شمع رات بھر کا جلنا ہے اور میں ہوں
شادی سے بزم کی کیا میرے دل حزیں کو

اس عجز نے تو پہلا سب اعتبار کھویا
لکھا مٹے ہے جوں جوں گھستا ہوں میں جبیں کو

مرنے کے بعد دل کی بیتابیوں سے اکدم
لاشہ ہمارا رکھنا مشکل ہوا زمین کو

گر در نہیں بتوں کا کعبہ ہی کو چلوں میں
اک سنگ چاہیئے ہے آخر مری جبیں کو

پہنچوں غبار بنکر تو دامن کو دے جھٹک
محنت کسی کی میری طرح رائگاں نہ ہو

ایسا مٹا دیا ہے فلک نے کہ مثل باد
گر خاک پر چلوں تو قدم کا نشاں نہ ہو

ماہر کا شکوہ کیا ہے اسے بھی بلا تو لو
کہئے کسیکو آپ نہ اپنے گماں پہ کچھ

وہ مری لاش پہ روتے ہوئے آئے ماہر
سچ ہے یہ بات کہ الفت سے ہے الفت ہوتی

پکڑ کے بیٹھنا اس کا بنا وہے گویا
ہر ایک بات میں خوبی ہے خوشنما کے لئے

بڑھائی تم کو تو مشق ستم ہے اور ہم بھی
نہیں کچھ ایسے کہ اتنا جگر نہیں رکھتے

جگر میں لگتے ہیں اوڑ کر وہ ناوکِ مژگاں
یہ کہنے کو ہے کہ وہ تیر پر نہیں رکھتے

اُسکے ہنسنے سے کھلے رمز عدم کے ماہر
کسقدر سہل ہوا عقدۂ دشوار مجھے

آنکھوں سے تو دکھا چکی کیا کیا یہ چشمِ تر
کانوں سے کیا سنائیگی دیکھوں زباں مجھے

میں ہوں اسیر مجکو رہائی کی دے نوید
ورنہ یوں ہی بہار سے کیا باغباں مجھے

میرے تمھارے ملنے پہ کیا کیا ہیں مفسدے
اغیار واں ستائیں تمھیں یار یاں مجھے

باقی جو عمر تھی وہ تجسس میں کی تمام
پر عمرِ رفتہ کا نہ ملا کچھ نشاں مجھے

مانا کہ مجکو اور سے صحبت نہیں ولے
رکھتا ہے حسن شوخ ترا بدگماں مجھے

رکھا نہ سر کو زانوے نازک پہ شوخ نے
ان ناتوانیوں پہ ہے سمجھا گراں مجھے

بزمِ خرد میں یوں ہوں کہ جیسے گناہ گاہ
ہنس پڑیں سمجھ یہ کہ لائی کہاں مجھے

لا کشتیِ شراب کہ غم کے محیط میں
توبہ ڈبوئے دیتی ہے پیرِ مغاں مجھے

ہمت سے دل نے عشق کو آسان اٹھا لیا
ہلکا ہوا یہ بوجھ دیا تھا گراں مجھے

دعویٰ تو یہ دعا کو کہ پہونچے خدا تلک
اور جا سکی نہ لیکے کبھی تا بتاں مجھے

فرطِ سوال شوق سے ماہر تنگ ہوں
کرنے دیا نہ ایک بھی پورا بیاں مجھے

کیا کیا آنکے کعبہ میں سوا اسکے کہ ہم
ہوئے شرمندہ برہمن سے صنم سے چھوٹے

صحرا کو لے چلے ہمیں وحشت کے ولولے
دیکھی نہ راہ آمدِ فصلِ بہار کی

کہتے تھے وقتِ نزع میری سب جوان و پیر
اس نوجواں نے کس پہ جوانی نثار کی

کتنا ہی ہم چراتے ہیں آنکھ اس سے پر نظر
ناچار پڑ ہی جاتی ہے کمبخت پیار کی

دل میں اک سوز سا پاتے تھے سدا ہم لیکن
اب جو دیکھا تو ہے اک خاک کا تودا باقی

شوخیوں پر ہے یہ تمکین کہ ہوا حشر بھی اور
سب کو اب تک ہے قیامت کی تمنا باقی

ڈبڈبانے ہی میں آنکھوں کے ہوا عالم غرق
اور ابتک ہیں بہلنے کئی دریا باقی

اب تیرے تغافل سے ہے پامال وگرنہ
جو چاہیئے خنجر نے خبر لی مرے سر کی

اسکی زلفیں بلا ہیں اور یہ بلا جسکی دوری میں مرتے تھے ماہر	اپنے سر پہ ہمیں لئے ہی بنی آخر اس بن ہمیں جیئے ہی بنی

(۶۳) مرزا بہرام شاہ المتخلص بہ محب

حشر میں بھی اگر ملا وہ محب	تو یہ سمجھیں گے ہم شتاب ملا
دل میں ہر ایک کی میں کھٹکتا ہوں رات دن	گویا میں دشمنوں کے لئے خار ہو گیا
اے محب کوچہ میں اسکے اُڑکے جاتا ہوں سدا	پائے شوق اپنا بھی اب بالِ کبوتر ہو گیا

(۶۴) مرزا منگو المتخلص بہ محزون

اسکے مُنہ کون چڑھ سکے محزوں
ہاں مگر مُنہ یہ اس کے آیا خط

(۶۵) مرزا محمود شاہ المتخلص بہ محمود

ہاتھوں سے اے جنوں تر سے جاؤں کہاں نکل	دامن سیا نہیں کہ گریباں نکل گیا

اور ہمیں دیدۂ پُر آب ملا		غیر کو ساغرِ شراب ملا

(۶۶) مرزا کریم بخش مفتوںؔ

دیکھتے ہیں ہم دمو اللہ کی قدرت کو ہم کوئی دن کو کام فرماتے ہیں اب غربت کو ہم قدر تو نے ہماری کیا جانی		آج وہ دن ہے کہ ہم بسمل ہیں وہ خنجر بکف غیر سے ملتا ہے وہ مفتوںؔ ہمارے سامنے غیر کے واسطے ہوا ناخوش

(۶۷) مرزا قادر بخش موزوںؔ

یہ دل بغل میں ہے موجود گفتگو کے لئے ہوئے ہیں تارِ دل چاک کے رفو کے لئے		خموش ہو کے بھی گویا کہ ہم نہیں خاموش نگہ جو ناز سے مرے جگر کے غیروں کو

(۶۸) مرزا حسین بخش المتخلص بہ مرزاؔ

گہ داغ کو سہوں ہوں گہ زخم جھیلتا ہوں
مرزاؔ ستا رہا ہے ذوقِ جفا یہ مجھکو

---

(۶۹) مرزا سنگی مرحوم المتخلص بہ مضطر

تھا خود وہ تڑپنے سے خجالت زدہ ہمتو
مضطر کے کبھی خون کا دعویٰ نہ کرینگے

(۷۰) مرزا خسرو شکوہ عرف مرزا آغا جان المتخلص بہ مضطر

حال میں کس سے کہوں اے دل نالاں اپنا | تو ہی جب اپنا نہیں کون مری جاں اپنا
ناصحا کیونکہ اُٹھاؤں کہ مری چشم کے ساتھ | ربط رکھتا ہے سدا گوشۂ داماں میرا

(۷۱) مرزا مظفر المتخلص بہ مظفر

ٹالا باتوں ہی میں ہمیں تم نے
کیا گزرتی ہے رفتگاں پر ہائے

جب کبھی وصل کا سوال آیا
کوئی کہتا نہیں عدم کی بات

(۷۲) مرزا احمد بخش بہادر المتخلص بہ منصف

نہ رکھ یادِ زلفِ سیہ فام اے دل | یہ لادیگی سر پر بلا یاد رکھنا

ہمیشہ تو باتیں بناتا ہے مجھ سے
یہ باتیں تو اے بیوفا یاد رکھنا

(۷۳) مرزا ہدایت علی المتخلص بہ مہجورؔ

یقین میرے مرنے کا آیا نہ اُن کو
کہا ہو گیا ہے کچھ آزار دیکھو

(۷۴) مرزا معین الدین المتخلص بہ ندآ

کیا خاک ہو پھر دوستی کی اس سے توقع
جسمیں نہ مروت ہو نہ ہو پاس وفا کا

آتا نہیں گر رحم تو کر جور ہی ظالم
شکوہ نہیں کرنے کا ترے جور و جفا کا

مرتا غمِ دوری میں تری کب سے ہے اے شوخ
ہے حال بھی معلوم تجھے اپنے ندا کا

(۷۵) نزہت

اُٹھاؤں شر یہ اگر ہوئے غم خدائی کا
مگر نہیں ہے گوارا ستم جدائی کا

اس کسکو سحر وصل کی ہے اے نزہت
نہ شبِ ہجر کٹے گی نہ سحر دیکھیں گے

(۷۶) مرزا غلام محی الدین بہادر المتخلص بہ ہادی

آیا نظر وہ مہر لقا تین دن کے بعد	روشن بہ قصرِ چشم ہوا تین دن کے بعد

(۷۷) مرزا کبیر الدین المتخلص بہ وحشت

وہ بے وفا و اُمیدِ تسلی شبِ غم	خیال یہ دلِ مضطر ترا کدھر آیا
کون سے فتنوں میں ہے فتنۂ محشر ظالم	سیکڑوں فتنہ ہیں ایسے تری رفتار کے پاس
ناحق کے ظلم و کاوشِ بیجا سے کیا حصول	لو گے ستا کے کیا کسی خانہ خراب کو

(۷۸) مرزا دارا بخت المتخلص بہ وفا

بادہ نوشی سے اُسے کام یہاں تشنہ لبی	عید رہتی ہے وہاں یاں رمضان رہتا ہے
مُنہ سے تو کچھ کہو تم کس واسطے خفا ہو	اس اپنے خستہ دل سے اس اپنے نیم جاں سے
میں نے کہا جو رو کر مرتا ہوں تم نہ جاؤ	اک ناز اور ادا سے کہنے لگے وہ کب سے
کوچہ میں بعد مرگ مجھے اس کے جا ملے	ایسے کہاں نصیب جو یہ مرتبا ملے

(۸۹) مرزا بختاور بخت المتخلص بہ ہنرؔ

کس چمن میں ہمیں تقدیر لائی ہے یارب
کہ ہے آزاد جہاں نام گرفتاروں کا

آپ اور آرزدے وصل بتانِ بے رحم
اے ہنرؔ دل تو بنا لیجیے پتھر اپنا

ای ہنرؔ دیکھا کچھ اپنے درد پنہاں کا اثر
پردہ ہی پردہ میں انکو شوق پیدا ہو گیا

بیچینیاں یہی ہیں دل کی نو ای ہنرؔ تم
لاتے ہو آج کل میں آفت کوئی اور دل پر

جلد گردن پر مری رکھدے خدا کے واسطے
دست نازک میں سنبھل سکتا اگر خنجر نہیں

ہنرؔ کچھ انکی نگاہیں وہ کر گئیں جادو
وگرنہ یوں تو ملی آنکھ بارہا اس سے

گریباں چاک ہیں اور مو پریشاں
ہنرؔ شاید کہ آئے ہیں وہاں سے

وتمم بالخیر

مختصر حالات
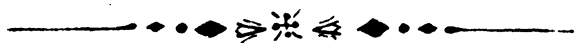
آرزو

(۱) آرزو تخلص ۔ مرزا علاءالدین عرف مرزا کالے خلف مرزا منور بخت ولد مرزا فیروز بخت ابنِ حضرت شاہِ عالم ۔ مرزا قادر بخش صابر سے فنِّ سخن میں استفادہ ہے ۔ نہایت تیز ذہن اور خوش طبع تھے کم گوئی ان کا شعار تھا ۔ کلام سادہ اور دلفریب ہے ۔

آزاد

(۲) آزاد تخلص ۔ مرزا اعظم شاہ پسر مرزا عادل شاہ ابن مرزا سلیمان شکوہ خوش فکر تھے ۔ طبیعت میں تصوف کا رنگ غالب تھا ۔ رند طبع اور آزاد منش تھے ۔ کلام میں بھی وہی رنگ پایا جاتا ہے ۔

اختر

(۳) اختر تخلص - مرزا وجیہہ الدین نام - مرزا سلیمان شکوہ کی اولاد سے ہیں - آٹھ نو سال کی عمر میں ذہن کی رسائی اور طبیعت کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ سامعین اس کے کلام سے بیحد محظوظ ہوتے تھے -

انداز

(۴) انداز تخلص - شاہزادہ بلند اقبال مرزا غلام حسین نام - علم موسیقی اور مرثیہ خوانی میں بڑے باکمال تھے - ذوق سے اصلاح لیتے تھے -

ایجاد

(۵) ایجاد تخلص - مرزا رحیم الدین نام - طبیعت میں مضمون آفرینی بیحد تھی - زبان کی متانت اور لفظوں کی آبداری نے کلام کو استوار کر دیا تھا -

تیمور

(۶) تیمور تخلص - مرزا سعادت سلطان نام - شاہزادہ مرزا قادر بخش موزون کے بیٹے تھے - فکر رسا اور طبیعت موزون تھی - بحثہ گوئی

کا شوق تھا۔ مرزا قادر بخش صابر سے اصلاح لیتے تھے

ثابت

(۷) ثابت تخلص۔ مرزا معزالدین خلف الصدق شاہ عالم بادشاہ۔ طرز کلام نہایت متین تھا۔ حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان کی شاگردی سے ممتاز تھے۔

حشمت

(۸) حشمت تخلص تھا۔ مرزا غلام فخرالدین نام۔ مرزا معظم بخت ابن شاہ عالم کے بیٹے تھے۔ حافظ عبدالرحمٰن خان احسان کے شاگرد تھے۔ اساتذہ کے مشاعرہ میں بہت زیادہ شریک ہوتے تھے۔ کلام پاکیزہ اور صاف ہے۔

حیا

(۹) حیا تخلص۔ مرزا رحیم الدین نام۔ شاہزادہ مرزا کریم الدین۔ متخلص بہ رسا کے بیٹے تھے۔ کلام پختہ۔ الفاظ رنگین۔ اور مضامین نہایت متین ہیں۔ صاحبِ دیوان تھے۔

--- x ---

حیرت

(۱۰) حیرت تخلص۔ مرزا رمضانی پسرِ مرزا صمصام الدین شاہجہاں بادشاہ کے پوتے تھے۔ عارفانِ عصر کے بڑے معتقد۔ اور خدمت گذار تھے۔ درویش دوست اور بڑے خلیق تھے۔ مرزا رحیم الدین حیا کے شاگرد تھے۔

رسا

(۱۱) شاہزادہ مرزا کریم الدین نام اور رسا تخلص تھا۔ ستر سال کی عمر پائی۔ طبیعت کی شوخی۔ فکر کی رسائی زیادہ تھی۔ حافظ غلام رسول شوقؔ کے شاگرد تھے۔

رفعت

(۱۲) شاہزادہ مرزا پیارے نام رفعت تخلص تھا۔ کلام نہایت فصیح فکر رسا اور معانی میں جدت ہے۔ حافظ عبد الرحمٰن خاں احسان کے شاگرد تھے

رمز

(۱۳) رمز نام و تخلص۔ ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ کے ولی عہد تھے۔

سخن سے شوکتِ الفاظ اور بلاغت کلام ٹپکتی ہے۔نظم کی طرف بےحد التفات تھی۔سامعین کی طبیعت کو ان کے سخن سے سیری حاصل تھی اور مذاق ادبی لذت پذیر ہوتا تھا۔

زیب

(۱۴) زیب تخلص۔مرزا جمال الدین عرف مرزا کلن نام۔عالمگیر ثانی کے پوتے تھے۔شیخ ابراہیم ذوق سے فنِ شعر میں استفادہ کیا تھا

سرور

(۱۵) سرور تخلص۔مرزا عزیزالدین نام۔حضرت شاہ عالم بادشاہ کی اولاد میں تھے۔حضرت ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ کے داماد تھے۔اُستاد ذوق کی شاگردی سے فیضیاب ہوئے۔

سلیمان

(۱۶) سلیمان تخلص تھا۔مرزا سلیمان شکوہ نام حضرت شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے۔شعرگوئی کی طرف بیش تر متوجہ تھے۔اکثر حصۂ عمر کا لکھنؤ اور آگرہ میں گذارا۔

شرر

(۱۷) شرر تخلص اور عنایت الدین مرزا نام تھا۔ شاہ عالم بادشاہ کے نواسہ تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق سے استفادہ کیا تھا۔

ششدر

(۱۸) ششدر تخلص۔ مرزا روشن الدولہ نام تھا۔ محمد اکبر شاہ بادشاہ کے نواسہ تھے۔ زبان میں روانی اور بیان میں فصاحت ہے۔ شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا کے شاگرد تھے۔

شہرت

(۱۹) شہرت تخلص۔ مرزا حاجی نام۔ حضرت ابوظفر محمد بہادر شاہ کی اولاد تھے۔ حافظ احسان اور میر نظام الدین ممنون اور مفتی صدرالدین خاں سے اصلاح لیتے تھے۔ کلام نہایت بلند پایہ کا ہے۔

شہرہ

(۲۰) شہرہ تخلص۔ مرزا نصیر الدین نام۔ محمد اکبر بادشاہ ثانی کے نواسہ تھے حافظ احسان سے مشورہ کرتے تھے۔

شیدا

(۲۱) شیدا تخلص۔ مرزا قمر الدین نام۔ شاہ عالم بادشاہ کے پوتے اور ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ کے داماد تھے۔ مشورۂ سخن شیخ ابراہیم ذوق سے تھا۔

صابر

(۲۲) صابر تخلص۔ مرزا قادر بخش نام۔ باکمال اساتذہ کی صحبت اور فیضان تربیت کی بدولت سخن گوئی میں کمال حاصل کیا۔ آبا و اجداد کی بدولت نسبت شاہزادگی سے مشرف تھے۔ لیکن کمال و استعداد کے شرف نے نسبت آبائی کا محتاج نہ رکھا۔ فصاحت و بلاغت اُن کے کلام میں خصوصی طور پر نمایاں ہے۔

صالح

(۲۳) مرزا مصلح الدین نام اور صالح تخلص تھا۔ حضرت ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ کے نواسے تھے۔ فارسی زبان میں نہایت روشن کلام تھے۔ ریختہ گوئی میں شگفتگی اُن کا شیوہ تھا۔ مرزا پیارے المتخلص بہ رفعت کے شاگرد تھے۔

صفا

(۲۴) صفا تخلص۔ مرزا سعید الدین عرف مرزا ننھّے نام۔ مرزا رحیم الدین حیا کے چھوٹے بھائی تھے۔ حیا سے فن شعر میں کمال حاصل کیا۔ طبیعت شوخ تھی اور مضامین نہایت برجستہ۔

ظفر

(۲۵) ظفر تخلص۔ ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ نام۔ سخن کے دلدادہ اور شیوا بیانی میں یکتا تھے۔ اربابِ علم و ہنر کی قدر افزائی کرتے اور سخنورانِ عصر کے ساتھ شانِ دربار کو بزم مشاعرہ میں بدلکر سخن گوئی کا لطف اُٹھاتے تھے۔ صاحبِ دیوان ہیں۔ شیخ ابراہیم ذوق سے اصلاح لیتے تھے۔

فسول

(۲۶) فسول تخلص۔ مرزا منجھلے کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت بہادر شاہ کے نواسہ تھے۔ سُست سے سُست مضمون کو بھی الفاظ کی شوخی سے مقبولیت کے درجہ تک پہونچانا ان کا خاص کمال تھا۔

فکری

(۲۷) **فکری** تخلص - مرزا امن نام تھا۔ شاہ عالم بادشاہ کے بنیرہ تھے۔ عربی۔ فارسی میں کامل دستگاہ تھی۔ مسائل علم عروض سے کافی آگاہی رکھتے تھے۔ زبان پاکیزہ اور بیان نہایت فصیح ہے۔

قناعت

(۲۸) **قناعت** تخلص - مرزا غلام نصیرالدین نام تھا۔ حضرت شاہ بادشاہ کے پوتے ہیں۔ خیالات بلند اور معانی دقیق۔ کلام میں متانت اور سنگینی ہے۔

قیصر

(۲۹) **قیصر** تخلص - مرزا خدابخش نام۔ شاہ عالم بادشاہ کے نواسے تھے اُستاد مومن خاں کے شاگرد تھے۔ سخن میں فصاحت اور کلام میں متانت نمایاں ہے۔

ماہر

(۳۰) **ماہر** تخلص - مرزا جمعیت شاہ نام۔ شاہ عالم بادشاہ کے پوتے ہیں مولوی امام بخش صہبائیؔ کے شاگرد تھے۔ جملہ اصناف سخن میں

کامل دستگاہ تھی ۔

ہنر

(۱۳۱) ہنر تخلص ۔ مرزا بختاور بخت نام ۔ مرزا حاجی شہرت کے
شاگرد تھے ۔

ح ـ ک

۸۹۱۶/۴۳۱۶

ح ــ ل

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی صورت میں ایک آنہ یومیہ لیا جائیگا۔

(۱۴۴۴۴)